

نقائصِ مطمحہ کی طرف

ایس۔ امین الحسن تحریک اسلامی کے فوجوان، فعال اور سرگرم خادم ہیں۔ اللہ تعالیٰ

نے انہیں تہریروں و خطابت کی بڑی مہکتہ صلاحیت و ولایت فرمائی ہے۔ رسائل و جرائد میں مضامین و مقالات بھی لکھتے رہتے ہیں۔ مطالعے کی وسعت اور موضوع کی تنجیدگی ان کی شناخت ہے۔

ایس۔ امین الحسن ۱۹ ستمبر ۱۹۶۷ کو قمل ناڈوا سٹیٹ کی مردم خیز قسقی وانم باڑی میں اسچہ والد محترم اہلس۔ بدر الحسن کے یہاں پیدا ہوئے۔ انھوں نے سائیک فوجی میں ایم۔ ایس۔ سی کی ڈگری حاصل کی ہے اور پیٹھ کے اعتبار سے مول انجینئر ہیں۔

ایس۔ امین الحسن ۱۹۹۶ میں جماعت اسلامی ہند کے رکن ہوئے، ۱۹۹۹ میں جماعت اسلامی طلقہ قمل ناڈو کے سکریری برائے تربیت مقرر ہوئے، ۲۰۰۴ میں جماعت اسلامی طلقہ قمل ناڈو کے رکن مجلس شوریٰ اور وانم باڑی کی جماعت کے امیر منتخب ہوئے۔ اس وقت وہ جماعت اسلامی ہند کی مرکزی مجلس شوریٰ کے معزز رکن ہیں۔ جماعت اسلامی ہند سے باقاعدہ وابستگی سے پہلے وہ طلبہ اور فوجوانوں کی تنظیم اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا (SIO) کے کل ہند صدر بھی رہ چکے ہیں۔

ایس۔ امین الحسن بیک وقت اردو، انگریزی، عربی اور قمل چار زبانوں کے عالم ہیں۔ چاروں زبانوں میں وہ نوشت و خواندگی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اردو میں ان کے علمی، فکری اور سائنسی مضامین آئے دن نامہ ریش منزل دلی اور ماه نامہ حجاب اسلامی دلی میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

زیر نظر کتاب ’نفس مطمئینہ کی طرف‘ جناب ایس۔ امین الحسن کے ان مضامین و مقالات کا مجموعہ ہے، جو طلبہ تنظیم اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا کے ترجمان ماه نامہ ریش منزل میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان مضامین و مقالات میں قارئین کو اپنی تربیت اور ترقی کی طرف متوجہ کرنے کا کام پاب کوشش ملتی ہے۔

Rs.40.00



PN - 999

۴
نہ

۵

ایس۔ امین الحسن



مرکز تعلیمات اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ ۲۵

۵	حرف آغاز
۷	نفس امارہ کی فریب کاریاں
۸	انسانی فطرت
۹	نفس کی تین قسمیں
۱۰	انسان کی تین قسمیں
۱۱	نفس امارہ کی تین شرارتیں
۱۳	نفس امارہ کا استدراراج
۱۹	شیطان
۲۲	ہوئی
۲۵	نفس امارہ پر کنٹرول
۲۷	حکم خداوندی
۲۸	کردار پوئی
۳۰	لازوال حسن کی تمنا
۳۱	ماں بہن کا قصور
۳۲	انجی محبت
۳۲	توبہ
۳۳	صداقت
۳۴	نفس امارہ
۳۵	اخلاقیات اور ضمیر
۳۷	آزادی اور آزاد خییر
۴۱	نفس امارہ اور فراخ اند
۴۷	نفس امارہ کی حساسیت
۴۸	نفس امارہ کے دو کام
۵۰	حضرت آدم علیہ السلام

نفس مطمئنہ کی طرف

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز

ڈی ۳، دوست نگر، ایوان نعلی، جامعہ مرکزی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

فون: ۲۶۹۷۱۶۵۲، ۲۶۹۵۳۳۱، فکس: ۲۶۹۷۷۵۸

E-mail: mmipublishers@gmail.com

Website: www.mmipublishers.net

انجی - ایس آفٹ پبلیشرز دہلی - ۲

NAFS-E-MUTMAINNAAH KI TARAF (Urdu)

By: S. Anjum Hasan

Pages: 96

Price: Rs. 40.00

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مومن کی زندگی میں تزکیہ و تربیت کو ہی اہمیت حاصل ہے، جو انسانی زندگی کی بقا کے لیے

غذا یا ہوا اور روشنی وغیرہ کو حاصل ہے۔ انبیاء و رسل سے لے کر آج تک کے تمام صلحاء اور نیکوکاروں نے تزکیہ و تربیت کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے اور اپنی اپنی حیثیت اور رسائی کے مطابق انسانوں کو فکری، تقویٰ، خوش خلقی، محبت مرآت، بھائی چارہ اور اخلاقیات سے آراستہ و مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ زیر نظر کتاب ”نفس مطمئنہ کی طرف“ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ تحریک اسلامی کے نوجوان اسکالر جناب ایس۔ امین الحسن کے ان مضامین کا مجموعہ ہے، جو تربیت و تزکیہ کے عنوان سے اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا کے ترجمان ماہنامہ مدنی منزل نئی دہلی میں قسطوں کی شکل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

جناب ایس۔ امین الحسن تعلیمی لحاظ سے سول انجینئر ہیں، نفسیات میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی ہے، جماعت اسلامی ہند کی مجلس نمائندگان اور اس کی مرکزی اور صوبائی سطح پر کام کی مجلس شوریٰ کے معزز رکن ہیں، جماعت اسلامی ہند کی ذیلی تنظیم اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں غیر معمولی فہم و فراست اور حکمت و دانائی سے سرفراز کیا ہے۔ مطالعہ قرآن مجید سے انھیں خصوصی شغف ہے۔ ان کے دروس قرآن و احادیث کو عام ذواہل میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہے۔

- ۵۱
- ۵۲
- ۵۳
- ۵۴
- ۵۵
- ۵۷
- ۵۸
- ۵۹
- ۶۳
- ۶۳
- ۶۵
- ۶۶
- ۶۹
- ۷۱
- ۷۱
- ۷۱
- ۷۲
- ۷۳
- ۷۴
- ۷۷
- ۸۱
- ۸۱
- ۸۲
- ۸۲
- ۸۳
- ۸۳
- ۸۹
- ۹۲
- ۹۳

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام

ہاتل قاتل کا واقعہ

۹۹ قتل کا واقعہ

ماورین مالک کا واقعہ

نفس لوامہ کی تقویت

نفس لوامہ کی نیچے

معاذین سے مدد لیجئے

تین اوقات میں کس کو تلاش کرو

عبادت سے اتر لیجئے

نفس مطمئنہ

نفس مطمئنہ کس امر میں؟

نفس مطمئنہ: ملک و قیامت سے مشابہ

نفس مطمئنہ: چند عملی مظاہر

آگ کا لالہ

تواریک چھاؤں

مختہ دار پر

عقل سے قلب کی طرف

سزا سے موت پر

نفس مطمئنہ کی طرف

نفس مطمئنہ کے حروف اوقات

قلب لیم

قلب غیب

نماز

قرآن

دعا

ذکر

نفس امارہ کی فریب کاریاں

مشہور اسلامی سائنس دان اور محقق الفارابی کی کتاب ”مراقب الموجدات فی السیاسة المدنیة“ کے حوالے سے امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار قسم کی مخلوقات تخلیق کی ہیں۔ پہلی قسم کی مخلوق وہ ہے جس کو ”علم و حکمت“ سے نوازا گیا مگر اس کی فطرت و طبیعت کو شہوت و غضب سے پاک رکھا گیا۔ وہ صرف تمہید و تقدیس جانتے ہیں۔ فساد و فحش خرابہ کی صلاحیت سرے سے ان کی سرشت میں رکھی ہی نہیں گئی۔ اس طبقے سے تعلق رکھنے والی معلوم و معروف مخلوق فرشتے ہیں۔ دوسری قسم کی مخلوق وہ ہے جس کو علم و حکمت تو نہیں البتہ شہوت و غضب وافر مقدار میں انھیں نصیب ہوا۔ خیر و شر سے نہ انھیں واسطہ ہے اور نہ حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت، البتہ شہوت اور غضب اُن کی پہچان ہے۔ مخلوقات کے اس اُمرے میں جانور آتے ہیں۔ تیسری قسم کی مخلوق وہ ہے، جسے نہ اعلیٰ صفات سے نوازا گیا نہ سفلی جذبات سے۔ وہ خیر و شر کے امتحان سے بلند اور مکرار و تصادم سے پاک و صاف ہے۔ یہ وہ مخلوق ہے، جسے ہم ’نباتات‘ کہتے ہیں۔ جمادات کو بھی اسی تقسیم میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ مخلوقات کی چوتھی اور آخری قسم وہ ہے جو ان سب میں مفرد ہے۔ ’علم و حکمت‘ کے خزانے اس پر اپنا مل دیے گئے ہیں، شہوت و غضب بھی اس کی جبلت میں موجود ہے اور اعلیٰ و صالح اعمال کے صدور کی استعداد بھی یہ درجہ اتم موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سفل السافلین میں گرنے کا امکان بھی پوری طرح موجود ہے۔ ظاہر ہے یہ مخلوق ”انسان“ ہے۔

انسانی وجود کے امتیاز سے واقفیت کے بعد انسانی فطرت کی مابیت سے واقفیت ضروری ہے۔ اس کی فطرت کا ادراک نفس امارہ کو سمجھنے میں مدد دے گا۔

جناب ایس۔ ایمین الحسن نے زیر نظر کتاب ”نفس مطمئنہ کی طرف“ میں نفس امارہ کی فریب کاریاں، نفس امارہ پر کنٹرول، نفس لواہمہ، نفس لواہمہ کی جماسیت، نفس لواہمہ کی تقویٰ، نفس مطمئنہ، نفس مطمئنہ: چند عملی مظاہر اور نفس مطمئنہ کی طرف جیسے اہم معاون کے تحت قاری کو اپنی تربیت اور تزکیے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ یقین ہے کہ یہ کتاب نہ صرف تحریک اسلامی کے وابستگان بلکہ عام قارئین پر دور رس اور نتیجہ خیز اثرات مرتب کرے گی۔

ناشر

انسانی فطرت

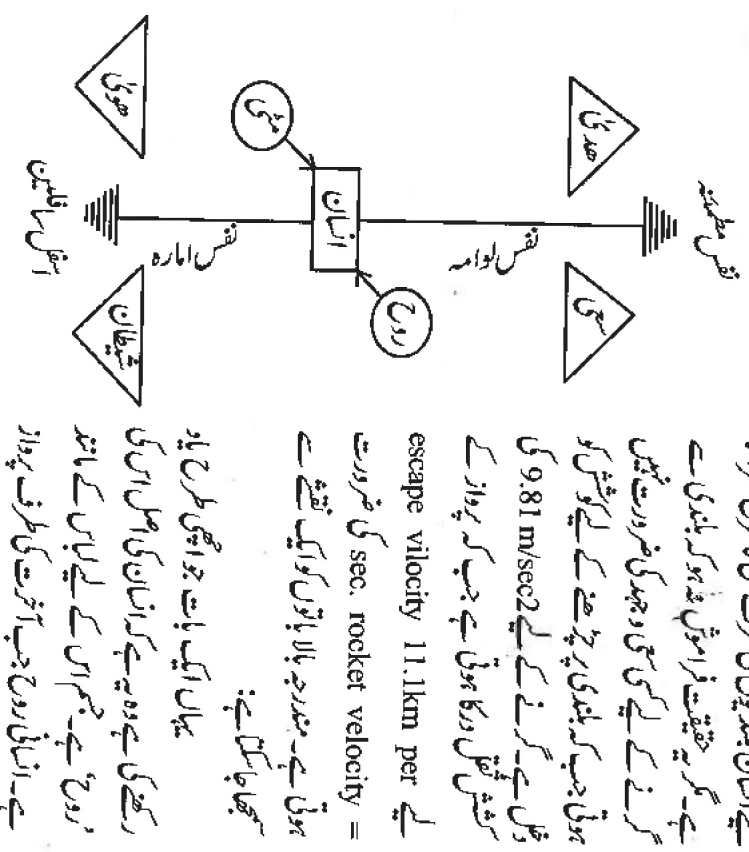
انسانی تخلیق کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا:

إِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۚ فَادَّٰسُوْهُنَّ وَ نَفَخْ فِیْهِمْ رُوْحِیْ فَقَعُوْا لَهُمْ سَجْدًا ۝

(عر: ۷۲، ۷۳)

”میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں، پھر جب میں اسے پوری طرح بنادوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔“

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی تخلیق دو متضاد عناصر ترکیبی سے ہوئی ہے۔ ایک مٹی جس کا تصور ہی ایک حقیر چیز سے ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ روغندی جانے والی چیز مٹی ہے۔ مٹی زمین کا حصہ ہے۔ اس لیے انسان میں مٹی کی حالتیں رکھی گئیں۔ مٹی اسے اپنی طرف (پستی کی طرف) کھینچتی ہے۔ دوسری طرف روح کے تصور سے ہمارا ذہن بلندی کی طرف جاتا ہے۔ ایک پاک اور اعلیٰ شے ہونے کا تصور ذہنوں میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ روح ایک آسانی چیز معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے انسان بلند یوں کی طرف بھی گامزن نظر آتا ہے۔ مگر یہ حقیقت فراموش نہ ہو کہ بلندی سے گرنے کے لیے کسی سعی و جہد کی ضرورت نہیں ہوتی جب کہ بلندی پر چڑھنے کے لیے کوشش کو دخل ہے۔ گرنے کے لیے 9.81 m/sec^2 کی کشش ثقل دور کا ہوتی ہے جب کہ پرواز کے لیے escape velocity 11.1 km per sec کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہندرجہ بالا باتوں کو ایک نقشے سے سمجھا جاسکتا ہے:



یہاں ایک بات جو اچھی طرح یاد رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی اصل اس کی 'روح' ہے۔ جسم اس کے لیے لباس کے مانند ہے۔ انسانی روح جب آخرت کی طرف پرواز

کر جاتی ہے تو اعمال کے اچھے یا برے اثرات اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ جسم یعنی لباس کو بوسیدہ اور سیلا کچلا چھوڑ جاتی ہے۔ اس لیے اصل پر تو جدیے اور روح کی صفائی کے لیے انیلا اور کتانیں بھیجی گئیں۔ احیاء العلوم الدین جلد دوم باب اول میں امام غزالی کی تحقیق یہ بتاتی ہے کہ قلب، روح، نفس اور عقل سب ایک ہیں اس لیے ان اتفاقاً کو ایک دوسرے کے متبادل کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ نفس ہی انسان ہے۔ نفس برا بھی ہوتا ہے اور اچھا بھی۔ نفس ہی اعمال کے لیے ذمہ دار ہے۔ نفس ہی سے سوال جواب ہے۔ نفس ہی کا ٹھکانا جنت یا جہنم ہے۔ ان سب مرحلوں میں انسان بھی جسم کے ساتھ ہوتا ہے، کبھی جسم کے بغیر ہوتا ہے اور کبھی ایک دوسرے جسم کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔ لہذا نفس کی تہذیب و تربیت پر فردی کام پائی کا انحصار ہے۔

نفس کی تین قسمیں

حقیقت میں نفس ایک ہی ہے۔ مگر چون کہ اس کی پیدائش دو متضاد عناصر ترکیبی سے ہوئی ہے اسی لیے اس پر دو حرکتی قوتیں (driving forces) مسلسل کام پر لگی ہوئی ہوتی ہیں، جو قوت اسے شر اور پستی کی طرف کھینچتی ہے اسے ”نفس امارہ“ کہا گیا اور جو قوت اسے نیر کی طرف اور اُپر کی طرف لے جائے، شر سے آگاہ کرے تاکہ انسان پستی میں گرنے سے بچے، اسے ”نفس لامارہ“ کہا گیا ہے۔ ان دو قوتوں کی کش مکش میں نیر جب غالب ہو جائے تو اسے ”نفس مطمئنہ“ کہا گیا۔ انسان جب دنیا میں آتا ہے تو وہ سیدھا سادہ شخص ”نفس انسانی“ ساتھ لاتا ہے۔ نفس انسانی سے نفس مطمئنہ تک اس کا ایک سفر ہے، جو پوری زندگی جاری رہتا ہے۔ نفس کی ان تین قسموں کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے: (۱) نفس امارہ (۲) نفس لامارہ (۳) نفس مطمئنہ۔

نفس امارہ

وَمَا أُبْرِئُ نَفْسِیْ ۚ إِنَّ النِّفْسَ لَأَكْبَرُ ذَلٰلًا ۚ وَمَا زَجَمَ

ذِیْیَ ۙ اِنَّ ذِیْیَ ظَفُوْرٌ رَّجِیْمٌ (یوسف: ۵۳)

”میں کچھ اپنے نفس کی برائت نہیں کر رہا ہوں، نفس تو بدمعاش ہی ہے، الایہ کر کی پر ہرے رب کی رحمت ہو، بے شک ہر ارب برا فخور و رجیم ہے۔“

”تم لوگ اس وقت تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔ دائیں بازو والے سودا گیں بازو والوں (کی خوش فہمی) کا کیا کہنا۔ اور بائیں بازو والے تو بائیں بازو والوں (کی بد فہمی) کا کیا ٹھکانا اور آگے والے تو پھرتا گئے والے ہی ہیں۔“

پہلی آیت میں انسانوں کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اوپر نفوس انسانی کے لحاظ سے انسانوں کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اوپر نفوس انسانی کے جن تین اقسام کا ذکر کیا گیا اسی مضابط سے یہ تقسیم بھی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نفس امارہ کی تین شرائطیں

نفس امارہ زبان میں مذکر اور عربی زبان میں مؤنث کے صیغہ میں استعمال ہوتا ہے۔ نفس امارہ سے مراد حکم دینے والی نفس (عربی میں) یا حکم کرنے والا نفس (اردو میں) ہے۔ کس بات کا حکم؟ برائی، شر اور فجور کا حکم دینا، اُکسانا، برائیوں میں ملوث کرنا، لذت کا خواب بنانا، شہوانی خواہشات کا دل دادہ بنانا، غضب کی آگ بھڑکانا، سفلی جذبات کو برا اچھین کرنا، کردار کی پسندی کی طرف لے جانا، بغاوت، شرارت اور حکم عدولی پر آمادہ کرنا نفس امارہ کے مشغلے ہیں۔

نفس امارہ اپنے وجود کا اظہار تین طریقوں سے کرتا ہے۔ امار غرائی نے اس کی بہترین تصویر کشی کی ہے۔ ذیل میں ان کی باتوں کا خلاصہ درج ہے۔

نفس کا مرکز دل ہے۔ دل پر چار قوتیں کام کرتی ہیں: (۱) سور (۲) کٹاک (۳) شیطان (۴) فرشتہ۔ دل جسم کا دار الحجاب ہے۔ دار الحکومت پر جو غالب ہوگا سارا ملک (جسم) اسی کے رنگ میں ڈھلے گا۔ ان چار قوتوں میں پہلی قوت ہے ”شہوت حکم“ اور ”شہوت فرج“۔ عدال، حرام ہر طریقے سے پیٹ بھرنا، دنیا کو پیٹ ہی کی نگاہ سے دیکھنا، ہنسی معاملات سے دل چھین، بے حیائی، عریانی، فحش، بدکرداری وغیرہ جیسے صفات کی تحسیم (Personification) کرنا چاہیں تو خنزیر، مناسب ترین جانور ہے۔ دوسری قوت جو قلب پر غالب ہونے کے لیے زور لگاتی ہے وہ ہے ”غضب“۔ مزاجوں کے اختلاف پر لڑ جانا، تھوڑی سے اکساہٹ پر پھڑک جانا، گالی گلوچ کرنا، زبان درازی کرنا، لڑنا، جھگڑنا، کانٹا، پھجورنا، غرانا، جھپٹنا وغیرہ۔ مذہم حرکات کی تحسیم کرنا چاہیں تو ”کس“ مناسب ترین جانور ہے۔ معلوم ہوا کہ نفس انسانی کے اندر ایک کتا بھی بیٹھا ہوا ہے جو اپنا اظہار مختلف موقعوں سے کرتا رہتا ہے۔ تیسری قوت سرکشی کی ہے۔ سلی برتری، سامانی افتخار، انایت، احساس برتری، کبر و غرور، حسد و تکبر، حکم عدولی، نافرمانی، اکسانا،

لَا أَقْسِمُ بِیَوْمٍ الْقَیْمَةِ ۖ لَا أَقْسِمُ بِالنَّفْسِ الْوَالِغَةِ ۖ (یہ: ۲۰۱)

”میں تم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور تم کو، میں تم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔“

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ۖ أَزْجَعِي إِلَىٰ رَبِّكَ رَاحِيَةً
مُرْضِيَةً ۖ فَأَذْخُلِي فِي عِصْدِي ۖ وَأَذْخُلِي جَنَّتِي ۖ (الجز: ۲-۳)

”اے نفس مطمئنہ! اچھے رب کی طرف اس حال میں تُو (اپنے انجام تک سے) خوش اور (اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا ہرے (تک) بندوں میں اور شامل ہو جا ہر کی جنت میں۔“

انسان کی تین قسمیں

اپنے نفس کو شہوات کے اتباع میں لگا کر نفس امارہ کا متبع بن جانا، یا ضمیر کی آواز سن کر نفس لوازمہ کی خیر خواہی سے فائدہ اٹھانا یا خیر میں سہقت لے جا کر اپنے آپ کو نفس مطمئنہ بنانا انسان کا اپنا کام ہے۔ یہی اس کی آزمائش ہے۔ اس لحاظ سے تین قسم کے انسانوں کا ذکر قرآن دو جگہوں پر کرتا ہے۔

(۱) ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فِیْهِمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۖ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ۖ یَاذُنِ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۖ (فاطر: ۳۲)

”پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنادیا ان لوگوں کو جن میں ہم نے (اس وراثت کے لیے) اپنے بندوں میں سے جن کو پسند کیا۔ اب کوئی تو ان میں سے اپنے (۱) نفس پر ظلم کرنے والا ہے، اور (۲) کوئی سچ کی راہ سے اور کوئی اللہ کے اذن سے (۳) انہیں سہقت کرنے والا ہے۔ یہی بہت بڑا فضل ہے۔“

(۲) وَ كُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۖ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ لَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۖ وَ أَصْحَابُ الشِّمَالِ الْشُّمُولَةُ ۖ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۖ وَالسَّیْقُونَ السَّیْقُونَ ۖ أُوْلَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۖ (واقف: ۱۱)

و غلاتا، برائیوں پر آمادہ کرنا وغیرہ جیسی صفات کی تہم شیطانی ہی سے ممکن ہے۔ رتی چوٹی قوت (جو اس وقت موضوع سے باہر ہے) وہ ہے تقویٰ۔ تقویٰ کی بہترین تعبیر ”فرشتہ“ ہے۔

نفس امارہ انسان کو اسفل السافلین تک پہنچانے کی غرض سے تین شرارتیں کرتا ہے:

(۱) بے حیائی، شہوت، حکم اور شہوت فرج کے راستے سے انسان کو برائیوں کا حکم دیتا ہے۔ برائیوں کو مزین کر کے پیش کرتا ہے اور ان کی لذتوں کا عادی بناتا ہے۔

(۲) غیض، بغضب کے راستے سے نفس امارہ انسان کو طیش و لا کر لڑاتا بھڑاتا ہے،

خون خراب کرتا ہے اور ذہن کو فساد سے بھر دیتا ہے۔

(۳) کبر و غرور اور حسب نسب کے راستے سے نفس امارہ انسان کو اعلیٰ ادنیٰ، برتر اور تر

کے فتنے میں مبتلا کر کے وحدت انسانی کو منتشر کرتا ہے۔

یہ شرارتیں صرف فرد اور ذات کی حد تک محدود نہیں ہوتیں۔ نفس امارہ کے بڑے بڑے بیکاری، محققین، ماہر نفسیات، میڈیا، فلسفی اور سیاست دانوں کے رویہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ پہلی بے حیاء شرارت کے نتیجے میں بے جا لڑچکر، گندے ٹاول، جیاسوز مناظر، عریاضیت، فحش گانے، بو فلوز، ہم جنسیت، شراب، جوا، زنا، تھکرنا، ناچنا، گلے، بارکس وغیرہ وجود میں آتے ہیں۔ دوسری شرارت کے نتیجے میں جھوٹ کے ذریعہ سے باطل کی طرح کاری کی جاتی ہے، حق سے ٹکری جاتی ہے، ممکنات پر دھاوے بولے جاتے ہیں، انسانوں کو لڑایا جاتا ہے، جنگیں برپا کی جاتی ہیں، انسانوں کے خون سے ہوئی کھلی جاتی ہے، معصوموں پر گم گرائے جاتے ہیں، اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں کہ درندے کی شرابا چاہیں۔

تیسری شرارت کے نتیجے میں نسلی امتیازات وجود میں آتے ہیں، نسل پرستی کے فلسفے گھڑے جاتے ہیں، وزن آشرم وجود میں آتا ہے، قومیت کا مذہم نظریہ انسانی وحدت کو پارہ پارہ کرتا ہے، بد دنیا کو تمدن، غیر تمدن، ترقی یافتہ وحشی، پہلی اور تیسری دنیا کی تقسیم روا رکھی جاتی ہے۔ نفس امارہ کی شرارتیں صرف ذات کی حد تک نہیں رک پاتیں۔ بلکہ انسانی سماج کو مذہم کرتی ہیں۔ اس لیے انبیاء کی یہ کوشش رہی کہ نفس امارہ پر انسان قابو پا کر، اسے لگام لگا کر، اسے تہذیب سے مزین کر کے سماج کی فلاح کا وہ کام کرے، جس سے اس کی روح مطمئن ہو جائے۔

اس چارہ میں نفس لواحد اس کا ہی خواہ اور حقیقی ساتھی ہوگا۔ نفس امارہ کی شرارتوں کی مثالیں قرآن میں ہمیں ملتی ہیں۔ پہلے قاتیل کی لڑائی، عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسفؑ پر ڈالنا، فرعون میں ہمیں موتی کے ساتھ سنگبرانہ کام کرنا وغیرہ ان کی شرارتوں کا اعلیٰ اظہار تھا۔

نفس امارہ کا استدراج

نفس امارہ کا کام تو بڑائی کا حکم دینا ہے مگر وہ ایک تدریج کے ساتھ انسان کو درجہ بدرجہ

گناہ کی طرف دھکیلتا ہے۔ بڑائی کی آخری منزل ہے شرم گاہ۔ اس کی پہلی منزل شروع ہوتی ہے سماعت یا بصارت سے۔ اس لیے نفس امارہ اپنا کام یہاں سے شروع کرتا ہے۔ بڑائی سنتے رہنے سے بڑائی بولنے کی ہمت انسان کر بیٹھتا ہے۔ گانے، بڑکیوں کی پلک دار آواز کی لذت پہلے پہل اسے بڑائی سے قریب کرتی ہے۔ جو سنتا ہے وہی بولتا ہے۔ ہرے ہی گانے ہوتے ہیں ان کا اصل نقص سماعت میں ہوتا ہے۔ وہ نہ کوئی بولی سنتے ہیں نہ ان کا دماغ انھیں محفوظ کرتا ہے اور نہ ہی نقل کے ذریعہ بزرگان اسے ادا کر سکتے ہیں۔ جو گندگی بولتے ہیں وہ پہلے دلیری سے گندگی سننے کے عادی ہوتے ہیں۔ سننے میں روک لگائی جائے تو بولنے میں روک خود بخود لگتی ہے۔

سننے کا تبادلہ بولنے سے ہوتا ہے۔ گوتم بودھ کے مطابق ناپسندیدہ باتوں کی چار اقسام ہیں:

(۱) جھوٹ (۲) چٹائی بغیبت (۳) فحش گوئی (۴) لغو۔ پہلے کا جدید نام Art of Presentation

ہے، دوسرے کا جدید نام Freedom of Expression ہے، تیسرے کا جدید نام boldness

اور چوتھے کا نام Gossip ہے۔

کلاس، سبس، ریسٹورینٹس جہاں موضوع گفتگو لوکی، اس کا حسن، اس کی لواٹیں ہوتی ہیں، پھر زاویے اور دائرے تک بات پہنچتی ہے، ان باتوں سے جیسا کہ پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ بڑے چھوٹے، اچھے برے، خلوت جلوت، ممنوع اور مباح کی تیز ختم ہو جاتی ہے۔ زبان ذہن کی ترجمان ہے۔ زبان کی کیفیت ذہن کی کیفیت کا اظہار ہے۔ زبان اور عمل کے درمیان

دوری بہت کم ہے۔ زبان اور شرم گاہ تک کا راستہ بھی طویل نہیں ہے۔ اس لیے نبیؐ نے فرمایا:

”تم دو چیزوں کی مجھے عنایت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ ایک زبان اور

دوسری شرم گاہ۔“

معلوم ہوا کہ سادعت میں کنٹرول کے نتیجے میں زبان کا تحفظ نصیب ہوتا ہے۔

انسان جب سادعت کے معاملے میں نفس امارہ کی بات مان لیتا ہے تو وہ آگے اسے بصارت کے گناہ میں مبتلا کرتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ”نماز میں آنکھوں کی ٹھٹھک ہے۔“ نفس امارہ کہتا ہے کہ ”عریاں تصاویر مناظر کی دید میں آنکھوں کی ٹھٹھک ہے۔“ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اگر گناہ کرنے کے بعد انسان آسودہ ہو جاتا ہے مگر آنکھوں کا اشرف ایک ایسا ہے کہ جس سے کبھی آدمی آسودہ نہیں ہوتا۔ اس گناہ کی دوسری انوکھی بات یہ ہے کہ شراب، جوا، وغیرہ کے گناہ سے آدمی لوگوں کی نگاہوں میں آ جاتا ہے جب کہ آنکھ کا گناہ کسی کی پکار میں نہیں آتا۔ آنکھ کی بے حیائی انسان سے اس کا سکون چھین لیتی ہے۔

ہر عمر کا ایک خاص فتنہ ہوتا ہے۔ طالب علمی کے زمانے کا خاص فتنہ بری نظر ہے۔ عریاں اور برہنہ تصاویر، بلوٹمز، لمبے حلیے، سائش اور پھر نظر بازی سے نفس امارہ توتا ہوتا ہے اور آدمی کی گناہ کے بارے میں ڈھٹائی بڑھ جاتی ہے۔ آنکھ سے شرم گاہ تک کا سفر راہ شوق میں بڑی سرعت سے ہو جاتا ہے۔ اس لیے قرآن نے کہا:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ بَعْضُوا مِنْ أَنْصَارِهِمْ وَبِحَقِّقُوا قُلُوبَهُمْ
ذَلِكَ أَزْكَى لَكُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (النور: ۳۰)

”اے نبی! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہوتا ہے۔“

جیسے سننے اور بولنے کا تعلق ہے۔ اسی طرح دیکھنے اور گھسنے کا تعلق ہے۔ سر کو بے ستر کرنا، حجاب کو بے حجاب کرنا، حقیقت کی دنیا میں ممکن نہیں تو پھر گمانے، اشعار، محبت نامے اور اس سے آگے بڑھ کر آرٹ کی شکل میں اس کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ برین کے بیت الخلاء میں، کالج کینیٹن کی دیواروں اور لائبریریوں کی کتابوں پر چٹائی جانے والی حیا سوز تصاویر اس کی سند بولتی

مثالیں ہیں۔ یہ سب نفس امارہ کے عملی مظاہر ہیں۔ سادعت اور بصارت کے بعد برائی کے معاملے میں چٹکی بڑھ جاتی ہے تو قلب میں ہمیشہ ہو کہ چھپ چھپ کے قصوریں بناتی رہتی ہے۔ قلب میں کسی برائی کو جگہ نصیب ہو جائے تو عمل کی دنیا میں ڈھلنے کے لیے اس کی سمنوری بڑھ جاتی ہے۔

نفس امارہ کی آخری منزل خسی ثبوت رانی ہے۔ ان جذبات کو سادعت، بصارت اور قلب برا سمجھتے کرتے ہیں۔ دباؤ اور تھکاؤ کی کیفیت نفس امارہ کا آخری حربہ ہوتا ہے اور کسی طرح فراغت پر اکساتا ہے۔ استنباط البیدرنا اور لواطت اس کے برترین اور ناچا نوازے ہیں، نفس امارہ کا تابع فرد پچھلے تین سنگ میلوں کو پار کرنے کے بعد خسی خواہش کی عدم تکمیل کو اپنی ٹھکست، دینی نوعیت اور شان مردانگی کے خلاف سمجھتا ہے اور آخر کار حدود پار کر جاتا ہے۔

نفس امارہ کے اس استدراج کے خلاف نبی کریمؐ کی دویا رکی دعائیں نقل کی جا رہی ہیں:

(الف) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ خَيْرٍ مُّسْمَعٍ، وَ مِنْ خَيْرٍ مُّبْصُوْرٍ، وَ مِنْ خَيْرٍ قَلْبٍ، وَ مِنْ خَيْرٍ فَعٍی۔

”اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں سادعت کے شر سے، بصارت کے شر سے، قلب کے شر سے اور نبی کے شر سے۔“

غور کیجیے کہ کس طرح کی آپ نے نفس کی شرارتوں سے پناہ مانگا سکھایا ہے۔ ان مرحلوں کا ذکر بھی وضاحت کے ساتھ آگیا جن مرحلوں سے نفس امارہ کسی فرد کو گزرا کر رہا کرتا ہے۔

(ب) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ مُّتَكَرِّبَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ۔

”اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اخلاق، اعمال اور خواہشات کی برائیوں سے۔“

اس دعا پر غور کریں گے تو اس میں بھی نفس امارہ کے تدریجی ہنگاموں کا ذکر پایا نہیں گے۔ مگر یہاں ترتیب الٹی ہے۔ یہاں جرم کی سنگینی کے لحاظ سے درجہ بندی کی گئی۔ برائی کے لیے سب سے پہلے میلان اور خواہش پیدا ہوتی ہے کہ فلاں منظر دیکھ، فلاں لڑکی کو چھو لے وغیرہ۔ خواہش کے مرحلے میں روک لگانا آسان ہے۔ مگر جب خواہش کے آگے گھٹنے ٹیک کر انسان دل کی تہاں لراتا ہے تو وہ عمل، بن جاتا ہے۔ عمل کی سطح پر بھی روک لگانا قدرے آسان ہے۔ عمل مسلسل ہونے لگے تو وہ انسان کی عادت بن جاتی ہے۔ عادت کو سخت و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے ہر حال ایک

قَالَ فَاصْبِرْ مِنْهَا فَإِنَّكَ زَجَرْتَهُمْ ۖ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ الْإِمْلِي
يَوْمَ اللَّذِينَ ۝ (الحج: ۳۳، ۳۴)

”اچھا تو کل جا یہاں سے کیوں نہ تو مردود ہے اور اب روز جزا تک تجھ پر لعنت ہے۔“

جب ذیل درسا ہوا تو اس نے ٹھان لی کہ انسان کو جو عزت و کرم دی گئی وہ اس کا مستحق نہ ٹھہر پائے۔ اس کو دل فریبوں میں مبتلا کر کے اسے بہکا کر اپنی دعوت سے پھسلا کر اپنے سوا اور پیادوں سے اس پر حملہ آور ہو کر، مال اولاد میں سمجھے دارین کر، اس کو وعدوں کے جال میں پھانسی کر۔ الغرض اس کے نفس امارہ کو لذتوں کا خواباں بنا کر اسے ذلت و رسوائی سے دوچار کر کے اسے ناکام و نامراد کر دے۔

قَالَ فِيمَا آخِرُ يُنَبِّئُ لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۖ ثُمَّ
لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ
شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝ (الاعراف: ۱۶)

”اچھا جس طرح تو نے مجھے گم راہی میں مبتلا کیا ہے، میں بھی اب تیری سہیلی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں گارہ دوں گا، آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں ہر طرف سے ان کو گھیر دوں گا اور تو ان میں سے اکثر کو نامراد کر دے گا۔“

لہذا شیطان نے اپنے مشن پر کام کرنا شروع کیا، نفس امارہ سے اس نے دوستی کا تعلق اور اس کے ذریعہ سے اپنا پروگرام نافذ کرنا شروع کر دیا۔ اس کی پالیسی و پروگرام کی نمایاں کاموں کی جھلکیاں اس طرح ہیں:

(۱) نافرمانی کی ترغیب دینا

”خز کا شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا۔“

(۲) بے حیائی کا حکم دینا

”تحقیقیں بدی اور نجس کا حکم دیتا ہے۔“ (البقرہ: ۱۶۹)

بھاری کام ہے۔ اس لیے دعا میں سنگینی کا خیال کرتے ہوئے حادث کی برائی، پھر عمل کی برائی اور پھر خواہش کی برائی سے پناہ مانگی سکھائی گئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ جو ان دونوں دعاؤں کو صحیح شام آتھنا و مضبوطی کے ساتھ ان کے دور کو اپنا معمول بنائیں۔

دیے گئے نقشے سے پتا چلتا ہے کہ نفس امارہ کے دو بڑے سامعیاں ہیں۔ انسان کو اسفل السافلین تک پہنچانے کے لیے ایک پیردن سے لینا کرتا ہے تو دوسرا مارا آستین ہے، نفس امارہ کا بیرونی دوست شیطان ہے تو اندرونی ایجنٹ ہوائے نفس ہے۔ ان دونوں کی مکر و فریب اور چال بازیوں کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

۱۔ شیطان

شیطان انسانی نگاہ سے ایک پوشیدہ مخلوق ہے۔ اس کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی۔
وَالْجَآنُ خَلْقُهُ مِنْ قَبْلِ مِنْ نَارِ السَّمُومِ ۝ (الحج: ۲۷)

”اور اس سے پہلے جنوں کو ہم آگ کی لپٹ سے پیدا کر چکے۔“

شیطان کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ وہ انسان سے ایک بڑا برتر ہے۔
قَالَ أَتَخْشَوْنِي وَتَخْشَوْنَ خَلْقِي ۖ فَمَنْ نُزَارُ وَخَلْقُهُ مِنْ طِينٍ ۝ (ص: ۷۶)

”اس نے جواب دیا میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے۔“

شیطان کے اس احساس برتری اور غرور نے انسان کو مجبور کرنے کے خدائی حکم سے روکا۔
وَأَقْلَنَّا لِلْمَلَأَيْنِكَ إِسْجُودًا ۖ لَا دَمَ فَمَسْجُودًا ۖ أَلَّا إِلَهَ إِلَّا أَنَا ۖ فَتَعْلَمُونَ ۖ وَأَنبِئُكَ
وَأَسْمِعُكَ ۖ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝ (البقرہ: ۳۲)

”اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو مجبور کر دو، اٹھیں کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے انکار اور تمکیر کیا اور وہ کافروں میں ہو گیا۔“

اس جرم کی پاداش میں وہ نامعلوم درجہ ہو گیا۔

”بنی اسرائیل میں ایک ایسا عابد تھا، جس کا مقابل کوئی دوسرا عابد نہ تھا۔ اس کے وقت

میں تین بھائی تھے۔ ان کی ایک بہن تھی جو باکرہ تھی۔ اتفاقاً ان تینوں بھائیوں کو کہیں لڑائی پر جانا پڑا ان کو کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جس کے پاس وہ اپنی بہن کو چھوڑ جائیں اور اس پر بھروسہ کریں۔ لہذا سب نے اس رائے پر اتفاق کیا کہ اس کو عابد کے سپرد کر جائیں۔ وہ عابد ان کے خیال کے موافق تمام بنی اسرائیل میں ثقہ و پرہیزگار تھا۔ سب اس کے پاس آئے اور اپنی بہن کو حوالہ کرنے کی درخواست کی کہ جب تک ہم لڑائی سے واپس آئیں ہماری بہن آپ کے سایہ عاطفت میں رہے۔ عابد نے انکار کر لیا اور کہا کہ اپنی بہن کو میرے عبادت خانے کے سامنے کسی گھر میں چھوڑ جاؤ۔ راہب نے منظور کر لیا اور کہا کہ اپنی بہن کو میرے عبادت خانے کے سامنے کسی گھر میں چھوڑ جاؤ۔ انھوں نے ایک مکان میں اس کو لانا اور چلے گئے۔ وہ لڑکی عابد کے قریب ایک مدت تک رہی۔ عابد اس کے لیے کھانا لے کر چلتا تھا اور اپنے عبادت خانہ کے دروازے پر رکھ کر کوٹا بند کر لیتا تھا اور اندر واپس چلا جاتا تھا اور لڑکی کو آواز دیتا تھا۔ وہ اپنے گھر سے آکر کھانا لے جاتی تھی۔ راوی نے کہا کہ پھر شیطان نے عابد کو نوایا اور اس کو خیر کی ترغیب دیتا رہا اور لڑکی کا دن میں عبادت خانہ تک آنا اس پر گراں ظاہر کرتا رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لڑکی دن میں کھانا لینے کے لیے گھر سے نکلے اور کوئی شخص اس کو دیکھ کر اس کی محبت میں رخصتا نہ کرے۔ بہتر یہ ہے کہ اس کا کھانا لے کر اس کے دروازے پر رکھ آیا کرے۔ اس میں اجر عظیم ملے گا۔ غرض کہ عابد کھانا لے کر اس کے گھر جانے لگا۔ بعد ایک مدت کے پھر شیطان اس کے پاس آیا اور اس کو خیر کی ترغیب دی اور اس بات پر ابھارا کہ اگر تو اس لڑکی سے بات چیت کیا کرے تو تیرے کلام سے یہ مانوس ہو۔ کیوں کہ اس کو سخت وحشت ہوتی ہے۔ شیطان نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ حتیٰ کہ راہب اس سے بات چیت کرنے لگا۔ اپنے عبادت خانہ سے اتر کر اس کے پاس آئے لگا۔ پھر شیطان اس کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ تو عبادت خانہ کے در پر اور وہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے اور دونوں باہم باتیں کر دتا کہ اس کو افسوس ہو۔ آخر کار شیطان نے اس کو صومعہ سے اتار کر دروازے پر لا بٹھایا۔ لڑکی بھی گھر سے دروازے پر آئی، عابد باتیں کرنے لگا۔ ایک زمانے تک یہ حال رہا۔ پھر شیطان نے عابد کو کارشکرکی رغبت دی، اور کہا بہتر ہے کہ تو خود لڑکی کے گھر کے قریب جا کر بیٹھے اور ہم کھائی کرے۔ اس میں زیادہ دل داری ہوگی عابد نے ایسا ہی کیا، شیطان

(۳) معیار زندگی کے گر جانے کا خوف دلانا

”شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے۔“ (البقرہ: ۲۶۸)

(۴) آپس میں لڑنا

”اہل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے ذریعہ فساد ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔“

(بنی اسرائیل: ۵۳)

(۵) شراب جو احمادی بناتا

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ یہ شراب اور جو ایا ستانے اور پانے یہ سب گندے

(البقرہ: ۹۰)

شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو۔“

اس کے پروگرام کی ہتھکیوں سے واضح ہوتا ہے کہ وہ انسان کا خیر خواہ نہیں بلکہ بدترین دشمن ہے۔ وہ انسان کا دوست ہو نہیں سکتا۔ حقیقی دوست وہ جو حقیقی طور پر ہمیں قبول کرے جب کہ اس نے ہماری پیدائش کے وقت ہی حضرت آدم علیہ السلام کو قبول نہیں کیا۔ حقیقی دوست تو وہ ہوتا ہے جو ہمارے اقدار و اہداف میں شریک ہوتا ہے۔ ہمارا ہدف جنت ہے۔ شیطان کی کوشش یہ ہے کہ وہ جنت سے نکلوائے یا جنت سے دور کرے۔ دوست وہ ہوتا ہے جو ہمیں قبول کرتا ہے، ہم سے بھی وہ بہتری کی توقع رکھتا ہے، دوست وہ جو ہماری بھلائی کا خواہاں ہوتا ہے۔ ان معیار پر شیطان ہمارا بدترین دوست ہے۔ اس لیے قرآن نے خیر دار کیا ہے کہ:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۖ (طہ: ۶)

”درحقیقت شیطان تمھارا دشمن ہے۔ اس لیے تم بھی اسے اپنا دشمن بنو۔“

پہلے جس طرح بتایا گیا کہ نفس امارہ ہماری طرف ایک تدریج کے ساتھ لے جاتا ہے، دراصل یہ فن اس نے شیطان سے سیکھا۔ شیطان انسان کا صبح بن کر آتا ہے۔ خیر خواہی کے لہارے میں وہ ہماری پرآلودہ کرتا ہے۔ اہلس کس طرح سے دھوکا دیتا ہے، اس کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر امام ابن جوزی کی کتاب ”تلبیس اہلس“ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہاں صرف ایک واقعہ درج کیا جا رہا ہے۔

وہ حاملہ ہو کر ایک بچہ جنی، عابد نے تمھارے ڈر کے مارے اس بچہ کو اس کی ماں سمیت ذبح کر لیا اور ایک گڑھا کھود کر دونوں کو ڈال دیا۔ جس گھر میں وہ تھی اس کے اندر داخل ہونے میں وہ گڑھا دانتی جانب پڑتا ہے تم چلو اور اس گھر میں جاؤ تم کو وہاں دونوں ماں بیٹے ایک جگہ ملیں گے جیسا کہ میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ پھر شیطان تجھے بھائی کے خواب میں آیا اس سے بھی ایسا ہی کہا پھر چھوٹے کے پاس گیا اس سے بھی یہی گفتگو کی۔ جب صبح ہوئی تو سب لوگ بیدار ہوئے اور یہ بتیوں اپنے اپنے خواب سے تعجب میں تھے۔ ہر ایک آپس میں ایک دوسرے سے بیان کرنے لگا کہ میں نے رات عجیب خواب دیکھا، سب نے باہم جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا۔ بڑے بھائی نے کہا یہ خواب فقط خیال ہے اور کچھ نہیں یاد کر چھوڑ دو اور اپنا کام کرو۔ چھوٹا کہنے لگا کہ میں تو جب تک اس مقام کو دیکھ نہ لوں گا باز نہ آؤں گا۔ بتیوں بھائی چلے، جس گھر میں ان کی بہن رہتی تھی آئے۔ دروازہ کھولا اور جو جگہ ان کو خواب میں بتائی گئی تھی تلاش کی اور جیسا ان سے کہا تھا اپنی بہن اور اس کے بچے کو ایک گڑھے میں ذبح کر دیا تھا۔ انھوں نے عابد سے کل کیفیت دریافت کی۔ عابد نے شیطان کے قول کی اپنے فعل کے بارے میں تصدیق کی۔ انھوں نے اپنے بادشاہ سے جا کر شکایت کی، عابد صومے سے نکالا گیا اور اس کو دار پر کھینچنے کے لیے چلے۔ جب کہ اس کو دار پر کھڑا کیا گیا شیطان اس کے پاس آیا اور کہا کہ تم نے مجھے پیچھا، میں ہی تمھارا وہ ساتھی ہوں جس نے تم کو عورت کے فتنہ میں ڈال دیا تھا۔ یہاں تک کہ تم نے اس کو حاملہ کر دیا اور ذبح کر ڈالا۔ اب اگر تم میرا کہنا مانو اور جس خدا نے تم کو پیدا کیا ہے اس کی نافرمانی کرو تو میں تم کو اس بلا سے نجات دوں۔ راوی نے کہا کہ عابد خدا تعالیٰ سے کافر ہو گیا۔ پھر جب عابد نے نضر باللہ کیا۔ شیطان اس کو اس کے ساتھیوں کے قبضہ میں چھوڑ کر چلا گیا۔ انھوں نے اس کو دار پر کھینچا، اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: **كَمْغُلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِاٰلِهَيْسَانِ اَخْرِجُوْهُ** (الحشر: ۱۶)۔ یعنی شیطان کی مثال ہے کہ انسان سے کہتا ہے فکر کہ جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا میں تجھ سے الگ ہوں۔ میں اللہ رب العالمین سے خوف کرتا ہوں۔ اس شیطان اور اس کافر دونوں کا انجام یہی ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور کمر کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔“

یہ واقعہ حقیقت ہو یا تمثیل کی زبان میں ہو، ہر حال ایک عبرت انگیز داستان ہے، انسان کا بدترین دشمن اور نفس امارہ کا بیرونی دوست، جس تدریج کے ساتھ برائی پر آمادہ کرتا ہے۔ اس کے شعور کے بعد مومن بکاٹا ٹھے گا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

نے پھر تحصیلِ ثواب کی رغبت دی اور کہا کہ اگر لڑکی کے دروازے سے قریب ہو جائے تو بہتر ہے تاکہ اس کو دروازے تک آنے کی بھی تکلیف نہ اُٹھانی پڑے، عابد نے یہی کیا کہ اپنے صومے سے لڑکی کے دروازے پر آ کر بیٹھتا تھا اور باتیں کرتا تھا۔ ایک عرصے تک یہ کیفیت رہی، شیطان نے پھر عابد کو ابھارا کہ اگر عین گھر کے اندر جا کر باتیں کرے تو بہتر ہے تاکہ لڑکی باہر نہ آئے اور کوئی اس کا چہرہ نہ دیکھ پائے۔ غرض عابد نے یہ شیعہ اختیار کیا کہ لڑکی کے گھر کے اندر جا کر دن بھر اس سے باتیں کیا کرتا اور رات کو اپنے صومے میں چلا آتا۔ اس کے بعد پھر شیطان اس کے پاس آیا اور لڑکی کی خوب صورتی اس پر غماز کرتا رہا۔ یہاں تک کہ عابد نے لڑکی کے زانو پر ہاتھ مارا اور اس کے رخسارہ کا بوسہ لیا۔ پھر روز بروز شیطان لڑکی کو اس کی نظروں میں آرائش دیتا رہا۔ اور اس کے دل پر غلبہ کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ اس سے ملوث ہو گیا اور لڑکی نے حاملہ ہو کر ایک لڑکا جنا۔ پھر شیطان عابد کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اب یہ بتاؤ کہ اگر اس لڑکی کے بھائی آگئے اور اس بچہ کو دیکھا تو تم کیا کرو گے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم ذلیل ہو جاؤ یا وہ تمھیں رسوا کریں، تم اس بچہ کو لو اور زمین میں گاڑ دو۔ یہ لڑکی ضرور اس معاملہ کو اپنے بھائیوں سے چھپائے گی۔ اس خوف سے کہیں وہ نہ ملیں کہ تم نے اس لئے ساتھ کیا حرکت کی۔ عابد نے ایسا ہی کیا، پھر شیطان نے اس سے کہا کہ کیا تم یقین کرتے ہو کہ یہ لڑکی تمھاری ناشائستہ حرکت کو اپنے بھائیوں سے پوشیدہ رکھے گی۔ ہرگز نہیں، تم اس کو بھی پکڑ دو اور ذبح کر کے بچے کے ساتھ دفن کر دو۔ غرض عابد نے لڑکی کو بھی ذبح کیا اور بچے سمیت گڑھے میں ڈال کر اس پر ایک بڑا بھاری پتھر رکھ دیا اور زمین کو برابر کر کے اپنے عبادت خانہ میں جا کر عبادت کرنے لگا۔ ایک مدت گزرنے کے بعد عورت کے بھائی لڑائی سے واپس آئے اور عابد کے پاس جا کر اپنی بہن کا حال پوچھا، عابد نے ان کو اس کے مرنے کی خبر دی اور افسوس ظاہر کر کے روئے گا اور کہا کہ وہ بڑی ٹیک بی بی تھی۔ دیکھو یہ اس کی قبر ہے، بھائی قبر پر آئے اور اس کے لیے دعائے خیر کی اور روئے۔ اور چند روز اس کی قبر پر رہ کر اپنے لوگوں میں آئے۔ راوی نے کہا جب رات ہوئی اور وہ اپنے بستر پر موئے۔ شیطان ان کو خواب میں ایک مسافر آدمی کی صورت میں نظر آیا۔ پہلے بڑے بھائی کے پاس گیا اور اس کی بہن کا حال پوچھا، اس نے عابد کا اس کے مرنے کی خبر دینا اور اس پر افسوس کرنا اور مقامِ قبر دکھانا بیان کیا۔ شیطان نے کہا سب جھوٹ ہے تم نے کیوں اپنی معاملہ سچ مان لیا۔ عابد نے تمھاری بہن سے فعل بد کیا

وَأَمَّا يَنْزَغُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ
 (الاعراف: ۲۰۰)

”اگر تم کو کوئی دوسرے شیطان کی طرف سے آئے تو اللہ کی پناہ مانگ لو۔“

۲- ہوئی

ہوئے نفس یعنی خواہشات نفس، نفس نامہ کے اندر دنیوی ساقی ہیں، نفس میں خواہشات کا بھر پنا اور یہی تقاضوں کا پر زور مطالبہ نفس نامہ کی اکساہٹ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بعض خواہشیں جائز بھی ہوتی ہیں۔ مگر بعض خواہشات تباہ کن ہوتی ہیں۔ امام خمینیؑ کے نزدیک ”خواہش“ وزیر خزانہ اور ”قلب“ بادشاہ ہے۔ وزیر خزانہ کو بادشاہ کے زیرِ نگرانی ہونا چاہیے ورنہ اگر وزیر خزانہ بادشاہ پر غالب آجائے تو ملک کے وقار و عزت کو بیخ و بول ڈالے گا۔

نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ صرف انسان کو ذلیل و رسوا کرتا ہے بلکہ اس کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی عقل میں فتور آجاتا ہے۔ انسان کی کارکردگی کم ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں امام ربویؒ نے ایک عبرت انگیز حکایت لکھی ہے۔ وہ یہ کہ ”ایک صوفی سفر کرتا ہوا کسی خانقاہ میں پہنچا اور اپنے گدھے کو اسطبل میں باندھ کر اپنے ہاتھ سے اس کو چارہ پانی دیا اور پھر خانقاہ میں آکر بیٹھ گیا۔ اس خانقاہ کے صوفی بڑے مفلس اور قلاش تھے اور جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، بعض دفعہ مفلسی کو تک پہنچا دیتی ہے۔ ان صوفیوں کی مفلسی بھی ان کو کم راہ کرنے کا باعث بن گئی۔ ان سب نے مل کر مسافر صوفی کا گدھا بیچ ڈالا اور اس کا جواز یہ سوچا کہ ضرورت کے وقت مراد بھی حال ہو جاتا ہے۔ گدھے کے پیسے کھرے کر کے صوفیوں نے پر تکلف کھانا تیار کیا اور خانقاہ میں خوب روشنی کی۔ وہ مسافر بڑی دل چسپی سے پینچل پہل دیکھ رہا تھا۔ اس بیچارے کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ سب کچھ اس کے گدھے کے مفلس ہے۔ دس خزانہ بچھا تو اس پر قسم قسم کے کھانے دیکھ کر اس کا ہی خوش ہو گیا اور اس نے ان پر بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارے۔ جب سب کھانے فارغ ہو گئے تو سامع شروع ہوا۔ خانقاہ کے صوفیوں نے تالیاں بجا بجا کر اچھل اچھل کر سداں باندھ دیا۔ جب سامع کی محفل خوب گرم ہو گئی تو قوال نے ایک نغمہ بلند سروسوں میں چھیڑ دیا اور ”گدھا رخصت ہوا، گدھا رخصت ہوا، گدھا رخصت ہوا“ کی ٹیپ اس طرح الاپنا شروع کر دی

کہ خانقاہ کے سب صوفیوں پر وجد طاری ہو گیا اور وہ سب مل کر قوال کے ساتھ ہی مصرع الاپیے لگے۔ وجد دوسرے کے عالم میں وہ مسافر صوفی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور ”گدھا رخصت ہوا، گدھا رخصت ہوا“ کا ربا، یہ محفل سامع ساری رات بڑے جوش و خروش سے جاری رہی۔ صبح ہوئی تو سب الوداع کہہ کر رخصت ہوئے اور خانقاہ میں مسافر صوفی اکایا رہ گیا۔ تھوڑی دیر سنا کر اس نے اپنا سامان سفر باندھا اور حجرے سے نکل کر اسطبل کی طرف آیا تاکہ سامان گدھے پر لاد کر اگلی منزل کی طرف روانہ ہو۔ وہاں دیکھا تو گدھے کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ شاید خانقاہ کا خادم اس کو پانی پلانے لے گیا ہوگا۔ جب خادم آیا تو صوفی نے پوچھا: میرا گدھا کہاں ہے؟ اس نے کہا: ان سب صوفیوں نے مل کر گدھا مجھ سے زیرِ دستی چھین لیا۔ صوفی نے کہا: مانا کہ ان ظالموں نے گدھا مجھ سے جبراً چھین لیا لیکن تو یہ تو کر سکتا تھا کہ مجھ کو اسی وقت ان کی دھاندلی کی اطلاع دے دیتا۔ خادم نے کہا: خدا کی قسم میں کئی بار یا مگر جب دیکھا کہ تو خود بڑے ذوق و شوق سے محفل سامع میں صوفیوں کے ساتھ ”گدھا رخصت ہوا“ کا راگ الاپ رہا ہے تو میں یہی سمجھا کہ گدھ کو گدھے کے بک جانے کا علم ہے اور تو اپنے نقصان پر راضی ہے۔“

حاصل کلام یہ کہ طرح خواہش نفس کی بڑ ہے۔ یہ انسان کی حیا، خودداری، غیرت اور دین کو براہِ کردیتی ہے۔ اس سے عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور مجیر مردہ ہو جاتا ہے۔ نفسانی خواہشات کے اتباع کو پہنچتی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کی زندگی کا محور پیٹ اور شرم گاہ بن جاتے ہیں۔ بہتیت اس پر غالب آ جاتی ہے اور انسان اپنا عراز و اکرام کھو بیٹھتا ہے۔ قرآن نے اسے مثال کی زبان میں اس طرح بیان کیا ہے:

وَأَنۢلِ عَلَيْهِمۡ نَارَ الدِّیۡهِ اَتَّيْنَهُ الْبَیۡتَیۡنَا فَانۡسَلَخۡ مِنۡہَا فَآفَیۡقُمَہُ
 الشَّیۡطٰنُ فَاکَانَ مِنَ الْغٰوِیۡنَ ۝ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰہُ بِہَا وَلَٰكِنۡہُ
 اَخۡلَعۡنَاۤ اِلَیۡ الْاٰرۡضِ وَ اَتَّبَعۡ ہُوۡۤءَ ۚ فَمَقٰمُہٗ ۚ کَمَقٰمِ الْاَکۡلَبِ ۚ اِنَّ
 تَعْمَلِ عَلَیۡہِ بِآلَہٖتَہٗ اَوْ تَتَوَكَّلۡ بِآلَہٖتَہٗ ۚ ذٰلِکَ مَثَلُ الْقَوْمِ
 الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِآیٰتِنَا ۚ فَانۡقَضِصَ الْفَصۡصُ لَعَلَّہُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ ۝

(الاعراف: ۱۷، ۱۸)

”اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا۔ پھر شیطاں ان کے پیچھے لگ گیا سو وہ گم راہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا۔ سو اس کی حالت کئے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہائے یہ حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیات کو بھلایا۔ سو آپ اس حال کو بیان کر دیجیے شاید لوگ اپنے حالات پر غور کریں۔“

خواہشات نفس اور شہوات کی اتباع انسان کو کس طرح اصل المسائل میں تک لے جا کر گمراہ کرتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں مندرجہ بالا آیات کافی وضاحتی ہیں۔ آج کا دور خواہشات کو بھڑکانے میں باقی ادوار کو پیچھے چھوڑ چکا ہے۔ ہر گنگی تصاویر، ناچ، گانہ، فلمز، انٹرنیٹ کے فحش سائٹس، شہوت کو بھڑکانے والے لوگ اور لڑکیوں کے نیم عریاں لباس، مخلوط تعلیم کا گینا، پاکوٹ اور اجتماعی مقامات پر لڑکے کے مواقع، ٹی وی کے حیا سوز سیریلز وغیرہ سب مل کر نفس امارہ کا گرم جوش سے ساتھ دیتے ہیں۔ یہی نہیں گھروں کا گولڑا ہوا ماحول بھی برائیوں پر آمادہ کرتا نظر آ رہا ہے۔ گھروں میں بے پردگی، شادی بیاہ کی مجلسیں، ماموں زاد اور خالہ زاد وغیرہ بھائی بہنوں کے درمیان بے تکلفی، چوری چھپے آغوشائیں، SMS، E-mail، chatting اور موبائل پر گھنٹوں ”ہی ہی ہا ہا“ نے جذبہ شہوت کو برا بھانتہ کیا ہے۔

مختلف پروگراموں میں مجھے اس موضوع پر درکشاپ کرنے کا موقع ملا۔ دریافت نامہ (Inventory) کے ذریعہ طلبہ کی اخلاقی صورت حال سامنے آئی۔ طلبہ نے اپنے مسائل اور اپنی پریشانیوں لکھیں۔ کئی نوجوان کسی نہ کسی شق میں نفس امارہ کے پھندے میں پھنسے ہوئے نظر آئے۔ اس آگشاف پر کلف افسوس لانا نہیں ہے بلکہ یہ ایک حقیقت کا انکشاف ہے اور یہ فتنہ اس عمر کا فتنہ ہے۔ لعنت ماست یا خود فریبی کے ساتھ پردہ پوشی کے رویے کے بجائے اصلاح حال اور تربیت کی فکر کی جانی چاہیے۔ شفافیت ایمان داری کا حصہ بھی ہے اور قابل ستائش بھی۔ لہذا دوا در وقت قلب کے ساتھ علاج ممکن ہے۔

نفس امارہ پر کنٹرول

نفس امارہ کے حربے مختلف اور حملے جتنی ہوتے ہیں۔ کوئی ایک برائی نہیں، جس کی وہ ترغیب دیتا ہے۔ خیر سے اسے نفرت اور شر سے محبت ہے۔ نفس امارہ ہر مکر کی ترغیب دیتا ہے، ہلاکت کرنے والے یا ناکام و ناامداد کرنے والے اوصاف کو نفس امارہ ہی جنم دیتا ہے۔ شاید اسی لیے اس سے آگاہ کرنے کے لیے امام غزالی نے کتاب ”احیاء العلوم“ میں ایک مکمل جلد نفس امارہ کی ہلاکت خیزیوں کے لیے مختص کیا ہے۔ نفس امارہ کی ہلاکت خیزیوں سے دنیا کی ہر اچھی اور دینی کتاب نے آگاہ کیا ہے۔ تورات میں ۷ ہلاکتوں کا ذکر ملتا ہے۔ یعنی کبر، حسد، بغضب، سستی، طمع، بیاد خوری اور شہوت۔ گوتم بدھ کے نزدیک نفس امارہ کے دس لٹکے ہیں جو مختلف جہت سے انسان پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ وہ ہیں: عدم آسودگی، شہوت، بھوک و پیاس، خواہشات، سستی و بے حسی، خوف و بزدلی، شک و دریب، منافقت و سہٹ دھرمی، عزت و جاہ کی طلب، خود ستائش و دوسروں کی تحقیر۔ اس مضمون میں جب ہم کنٹرول کی بات کریں گے تو بیک وقت تمام امور کا حامل ہانگن ہے۔ ابتداً ان میں سے کسی ایک مکر پر کنٹرول سے نفس امارہ کی شرارتیں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں۔ ایک مورچہ پر ایک لٹکے کی شکست سے دوسری لٹکے یاں بہت ہمت ہو جاتی ہیں۔ اس لیے نفس امارہ کے شہوت کے پہلو پر کنٹرول سے متعلق بعض تجاویز پیش خدمت ہیں:

اسلام نفس امارہ پر کنٹرول کی تعلیم دیتا ہے۔ نفس کو کل دینا اس کی تعلیم نہیں ہے اور نہ یہ انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ بعض مذاہب کی تحریف تعلیمات میں نفس کو کل دینا نجاست یا نیر کی علامت اور طہارت نفس کا کمال تصور کیا گیا ہے۔ مگر حقیقت کی دنیا میں نفس کو کلچنے کے بجائے وہ خود نفس کے اسیر ہو گئے۔ اس کی عبرت آگیز داستان سورہ مدہد کی تفسیر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۱- حکم خداوندی

فلسفہ انارہ براہوں کا حکم دیتا ہے۔ خدا ان سے رکے کا حکم دیتا ہے۔ فلسفہ کی شرارتوں اور اس کا ہٹوں سے رکنا استغانت باللہ کے بغیر ناممکن ہے۔ لہذا فلسفہ پر کنٹرول میں سب سے موثر اور کارگر طریقہ کاریہ ہے کہ دل میں یہ احساس پیدا ہو کہ یہ تو وہ برائی ہے جس سے رکے کا مہرے رب نے حکم دیا ہے۔ اگر میں اس برائی کا ارتکاب کروں تو اپنے رب کے حکم کی نافرمانی ہوگی اور نتیجے میں اس کی ناراضی مولیٰ ہوگی اور جو خدا کی ناراضی کا مستحق ہو وہ دنیا و آخرت میں رسوا ہوا۔ فلسفہ انارہ جن چیزوں کی ترغیب دیتا ہے، قرآن ان سے منع فرماتا ہے۔ مثلاً:

ولا تبذلوا سرف اور فضول خرچی نہ کرو۔

ولا تقتلوا اولادکم خسیۃ اطلاق: مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

ولا تقربوا الرئی: خیر و ارزنا کے قریب بھی نہ چکنا۔

ولا تقربوا مال الیتیم: مال یتیم کے قریب بھی نہ جاؤ (خریب کرنے کی نیت سے)۔

ولا تمشی فی الارض مرحاً: زمین میں اکڑ کر نہ چل۔

مسلمان مردوں سے کہو اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ اپنی

زینت کو ظاہر نہ کریں۔

لا یستخون: مخزایں نہ کرو۔

لا یغتب بعضکم من بعض: تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔

و یتھنی عن الفحشاء والمنکر: اور اللہ تمہیں روکتا ہے بے حیائی اور برے

کاموں سے۔

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے بھی بہت سی چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ قرآن نے صاف طور پر یہ کہہ دیا: ”رسول جو تمہیں دین وہ لے لے اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔“

(المختار: ۷)

فلسفہ پر کنٹرول تربیت سے حاصل ہوتا ہے، جس طرح شیش سے گاڑی پر کنٹرول حاصل ہوتا ہے۔ ایک اچھا انسان بنے اور ایک اچھا ڈرائیور بننے میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ دونوں میں قوت اور آزادی ہوتی ہے ساتھ ساتھ ذمہ داری بھی۔ گاڑی پر مکمل کنٹرول حاصل ہونے کے بعد مہارت اور حفاظت سے آپ جہاں جانا چاہیں جاسکتے ہیں۔ اسی طرح تربیت یافتہ انسان جس ماحول میں بھی چلا جائے وہ اپنا تحفظ کر لے گا۔ گاڑی بنانے والے نے صرف ایک اکیسلیر (Accelerator) ہی نہیں کیا بلکہ بریک (Brake) بھی فراہم کیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فلسفہ انارہ ہی نہیں دیا بلکہ لوازم سے بھی نوازا۔ اکیسلیر آزادی ہے تو بریک ذمہ داری۔ ان دونوں سے توازن بنتا ہے۔ انسان کا کمال یہی ہے کہ آزادی کے استعمال کے نتیجے میں رونما ہونے والے نتائج کا وہ محمل ہے اور ذمہ دار بھی۔ قرآن کہتا ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ
أَن يَحْمِلَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ
ظَلُومًا جَهُولًا لَا

(الاحزاب: ۷۲)

”ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ وہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔“

جیسا کہ گزشتہ سطور میں کہیں ہم نے ذکر کیا کہ ہر عمر کا ایک خاص فتنہ ہوتا ہے۔ طالب علمی کے زمانے کا خاص فتنہ برائی نظر ہے۔ عریاں اور برہنہ تصاویر، بلیک بورڈ، بے حیاء سب سائٹس اور پھر لڑکیوں کی بے مہابا دیدہ سے فلسفہ انارہ قوتا ہوتا ہے اور آدمی کی گناہ کے بارے میں ڈھٹائی بڑھ جاتی ہے۔ فلسفہ انارہ جب آکساتا ہے تو ایک سلیم الفطرت انسان آکساہٹ کو بھانپ لیتا ہے مگر اس کا تو ذکر کرنا یا اس کے آگے گھٹنے یک دینا یہ انسان کا اختیار ہے۔ کبھی بھول چوک یا بشری کم زوری کے تحت کسی برائی کا سرزد ہو جانا الگ بات ہے اور برائیوں کا رسیا ہو جانا دوسری بات ہے۔ مولانا مودودیؒ نے لکھا ہے کہ گندگی پر کبھی بھول سے جیر پڑ جانا الگ بات ہے اور اس کو اوڑھنا کچھنا مایلینا ایک دوسری بات ہے۔ پہلے پر مغفرت ہے دوسرے پر گرفت۔

اگر فلسفہ براہوں کی ترغیب دے تو اس موقع پر مندرجہ ذیل ۷ تراکیب اختیار کریں:

نفس کی ترغیبات پر سب سے کارگر ہر ایک یہی ہے کہ ہم اس سے کہیں کہ نہ میرے رب کا حکم ہے کہ میں اس سے کروں۔ اسی طرح خدا کے حکم کی اطاعت میں برائی سے رک گئے تو اس میں خدا کی نصرت ضرور شامل حال ہوگی۔ برائیوں سے اس لیے بھی رکا جاتا ہے کہ وہ صحت کے لیے مضر ہے یا سہانچ میں اس کو برا جانا جاتا ہے یا یہ کہ میرے ساتھیوں میں یہ کام کرنے کے بعد میری کیا عزت ہوگی۔ ان تمام وجوہ سے رکنے میں نہ استقامت یعنی ہے اور نہ اجر کی امید۔ ہاں حکم خداوندی تصور کر کے رکنے میں انسان کے لیے کام پائی ہے۔

وَمَنْ يُّطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (الاحزاب: ۱۷)

”اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی تابع داری کرے گا اس نے بڑی مراد پائی۔“

۲۔ کردارِ یوسفی

انبیاء ہمارے لیے اسوہ ہیں، مگر ہر نبی کی سیرت کا کوئی نمایاں پہلو ضرور ہوتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کو جوانوں کے لیے عظیم اسوہ ہیں۔ وہ جوانی میں انتہائی خوب صورت تھے اور خواتین ان پر فریفتہ تھیں بالخصوص اہل طبع کی خواتین۔ جب سوتیلے بھائیوں کے درمیان تھے تب وہ حسد کا شکار ہوئے۔ جب عزیز مصر کے گھر میں تھے تب وہ ہوس کا شکار بنے۔ مگر سبحان اللہ عظمت یوسفؑ یہی ہے کہ نفس کے پچھائے ہوئے حال میں پھینے بغیر طہارت نفس اور پاک دماغی کے ساتھ کل آئے۔ نفس کی تحریک پر کنٹرول کا ایک پائیدار نمونہ آپ نے چھوڑا۔ چوں کہ عصمت انبیاء ایک ناکرک موضوع ہے، اسی لیے اس مقام پر بعض حوالے نقل کیے دیتے ہیں:

وَلَقَدْ هَمَمْتُ يَدَ وَ هَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا نُوْرَهَا رَبِّهٖ ؕ (یوسف: ۲۴)

”اس عورت نے یوسف کی طرف قصد کیا اور یوسف اس کا قصد کرتے اگر وہ اپنے

پروردگار کی دلیل نہ دیکھتے۔“

”اس آیت کے سلسلے میں جن لوگوں نے اسے لولا کے ساتھ جوڑ کر یہ معنی بیان کیے

ہیں کہ یوسفؑ نے قصد ہی نہیں کیا، ان مفسرین نے اسے عربی اسلوب کے خلاف قرار دیا ہے۔ اور یہ معنی بیان کیے ہیں کہ قصد تو یوسفؑ نے بھی کر لیا تھا لیکن ایک تو یہ اہتیار ہی نہیں تھا بلکہ عزیز مصر کی بیوی کی ترغیب اور باؤ میں شامل تھا۔ دوسرے یہ کہ گناہ کا قصد کر لینا عصمت کے

خلاف نہیں ہے۔ اس پر عمل کرنا عصمت کے خلاف ہے۔ (شیخ اللہ ربیع، ابن کثیر) مگر محققین اہل تفسیر نے یہ معنی بھی بیان کیے ہیں کہ یوسفؑ بھی اس کا قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی برہان دیکھنے نہ ہوتے۔ یعنی انھوں نے اپنے رب کی برہان دیکھ رکھی تھی۔ اسی لیے عزیز مصر کی بیوی کا قصد ہی نہیں کیا۔ بلکہ دعوت گناہ ملتے ہی نکار اٹھے معاذ اللہ... البتہ قصد نہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ نفس میں ہیجان اور تحریک پیدا نہ ہوئی ہوں، ممکن ہے کہ ہیجان پیدا ہوا ہو۔ مگر ہیجان اور تحریک کا پیدا ہونا جانا الگ بات ہے اور قصد کر لینا الگ بات ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر سرے سے ہیجان اور تحریک ہی پیدا نہ ہوتو ایسے شخص کا گناہ سے بچ جانا کوئی کمال نہیں۔ کمال تو جب ہی ہے کہ نفس کے اندر داعیہ اور تحریک پیدا ہوا اور پھر انسان اس پر کنٹرول کرے اور گناہ سے بچ جائے۔ حضرت یوسفؑ نے اسی کمال صبر و ضبط کا بے مثال نمونہ پیش فرمایا۔“

یہ بحث اس مقام پر ہے جہاں قرآن اسی بات کا ذکر کرتا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسفؑ کو نہ صرف گناہ کی دعوت دی بلکہ تمام تر حربے استعمال کرنے کی کوشش کی لیکن حضرت یوسفؑ سلامتی اور عافیت کے ساتھ اس خطرناک مرحلے سے گزر آئے۔ اسی لحاظ سے حضرت یوسفؑ کو جوانوں کے لیے پیارہ نمونہ ہیں، قابل تقلید اسوہ ہیں، شفاف آئینہ ہیں جس میں ہم اپنی تصویر درست کریں۔ آپٹ پاک دماغی کی اسی بلندی پر فائز ہیں جس پر ہر نوجوان کو پہنچنے کی تمنا کرنی چاہیے۔

حضرت یوسفؑ کے ساتھ یہ سلسلہ جو پیش آیا تو یہ بھی دراصل ان کی تربیت کے سلسلے میں ایک ضروری مرحلہ تھا۔ ان کو طہارت نفس کے درجہ کمال پر پہنچانے کے لیے مصلحت الہی میں یہ ناکرہ تھا کہ ان کے ساتھ مصیبت کا ایک ایسا نازک موقع پیش آئے اور اس آزمائش کے وقت وہ اپنے ارادے کی پوری طاقت پر بیہ کاری و تقویٰ کے پولے میں ڈال کر اپنے نفس کے برے میلانات کو ہمیشہ کے لیے قطعی طور پر شکست دے دیں۔ خصوصیت کے ساتھ اسی مخصوص طریقہ تربیت کے اختیار کرنے کی مصلحت اور اہمیت اس اخلاقی ماحول کو گناہ میں رکھنے سے بے آسانی سمجھ میں آسکتی ہے جو اس وقت کی مصری موسائے میں پایا جاتا تھا۔ سورۃ یوسفؑ میں ماحول کی ایک ذرا سی جھلک دکھائی گئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کے ”مہذب مصر“ میں بالعموم اور اس کے اونچے طبقے میں بالخصوص شخصی آزادی قریب قریب اسی پیمانے پر تھی جس پر ہم اپنے زمانے میں اہل مغرب اور مغرب زدہ طبقوں کو ”فائز“ پارہے ہیں۔ حضرت یوسفؑ کو ایسے

”پیکرک آج بھی روزانہ (نفس امارہ) Mora کے ساتھ میری کشتی جاری ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تجربہ، مطالعہ اور ریاضت سے مجھے دشمن امارہ (یعنی نفس امارہ) کے تغیر راستوں اور غیر محسوس شرارتوں سے واقفیت حاصل ہو چکی ہے۔ اور کچھ Basic skill (بنیادی صلاحیت) کے ذریعے اس کے بچھائے ہوئے جال سے باہر نکل آنا ممکن ہوتا ہے۔ نوجوانوں کو ترغیب دینے کے لیے بڑوں کو محسوس ہونا یا محسوس ہونے کے معنوی اظہار کی ضرورت نہیں ہے۔“

۲۔ توبہ (A Return to Innocence)

انسان نسیان اور خطاؤں کا پتلا ہے۔ لغزش آرم سے بھی ہوئی اور شیطان سے بھی۔ آدم علیہ السلام فوراً چوکنا ہوئے اور اپنے رب سے معافی مانگ لی جب کہ شیطان نے اپنی غلطی کی غلط توجیہ کی آخر کار غمناک درگاہ ہو گیا۔ نفس امارہ کی وجہ سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو آنسو ہمارے کنٹروال کا طریقہ یہی ہے کہ غلطی کا اعتراف ہو اور اصرار نہ ہو اور خدا سے توبہ کی جائے۔ اس کا دامن مغفرت بہت وسیع ہے اپنے بندوں کو اس کی طرف واپس پلٹ کر آتے دیکھ کر اس کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ لہذا ہم ایسے کام کریں جس سے ہمارا رب خوش ہو۔ قرآن فرمائی کرتا ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِلذَّنْبِ وَيَغْفِرُ اللَّهُ إِلَيْهِمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران: ۱۳۵)

”اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی گنہگار سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاف انداز میں یاد آ جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں۔ کیوں کہ اس کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو۔ اور وہ بھی دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔“

قُلْ يَبْنَودِي الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (الزمر: ۵۳)

کی بھی عزت دیتا ہوں ہے، وہ پاک دامن ہیں۔ ایسی ہی نگاہ کسی کینے کی اپنی پیاری ماں اور محترم بہن کی طرف اٹھتے تو ہم انہیں پھوڑ کر رکھ دیں گے۔ آخر یہی تو کسی کی ماں اور کسی کی بہن ہیں۔ ان کے بھائی بیٹے بھی تمھاری آنکھوں کو اسی انجام سے دوچار کرنے کے منتظر ہوں گے۔ یہ نفسانی جرم پاک دامن کو بحال کرنے اور خیال گناہ پر ایک کا کا کرنا ہے۔

۵۔ اچھی صحبت

انسانی نفس کی تربیت و تہذیب میں اچھی صحبت کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔ یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے، جو ایک الگ اور مستقل مضمون کا متقاضی ہے۔ یہاں کچھ اشارے کرنا مقصود ہے۔

صحبت نامہنس میں پڑ کر انسان بگڑ جاتا ہے۔ بننے کے لیے ضروری ہے کہ اچھوں کی صحبت اختیار کی جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: عطار کی دوستی اختیار کر لو ہار کی دوستی اختیار نہ کرو۔ اس لیے کہ عطار کی دوستی سے ہو سکتا ہے کہ عطری شیشی تھیل مل جائے یا عطر پھل ہی دیا جائے یا کم از کم خوشبو سے ذہن مطہر ہو جائے گا۔ اس کے برعکس لوہار کے ساتھ بیٹھنے کے نتیجے میں آگ کی چنگاری کیڑوں پر گر کر چھید کر دینے کے امکانات ہیں یا نہیں تو کم از کم ٹھوک ٹخ سے ذہن مکدر ہو جائے گا۔ اس طرح اچھوں کی صحبت نفس امارہ پر کنٹرول میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ محبت میں بڑوں اور بزرگوں کی صحبت بھی مراد ہے۔ اور خود اپنے ہم عمروں میں اچھوں کی صحبت بھی مراد ہے۔ اچھی صحبت سے نفس امارہ سے لڑنے میں تقویت ملتی ہے۔ ایک کرتا ہے تو دوسرا تھاڑتا ہے۔ ایک پھسلتا ہے تو دوسرا سہارا دیتا ہے۔ گرنا اور گرنے کے بعد اٹھنا زندگی کی علامت ہے۔

ایک ساکلا کو جسٹ کارل وین ہولٹ نے اپنے ایک دوست کو لکھا: ”نوعمر پرندہ جب اڑنے کی مشق کرتا ہے تو کئی بار گرتا ہے۔ صرف حقیقی گناہی ہے جب گرنے کے بعد وہ اٹھنے نہ پائے۔ اس وقت یا تو وہ مر چکا ہوتا ہے یا مرنے میں مصروف ہوتا ہے۔“ زندگی کے پانچے میں ہم سب بلند پرواز کی تمنا رکھتے ہیں۔ گر بھی جائیں تو صحبت صالح ہمیں اوپر اٹھائے گی۔ مگر یہ واضح رہے کہ ہم سب نفس امارہ کی حملوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ کسی کو مصحت حاصل نہیں ہے۔ ایک اور ماہر نفسیات نے اپنے شاگرد سے برملا اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ:

” (اے نبی) کہہ دو اے میرے بندو جنہوں نے اپنے جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے بالکل نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ تو بخور اور رحیم ہے۔“

۷۔ صدقہ

نفس امارہ کی شرارتوں سے تحفظ وامان کے لیے یہ ساتواں دروازہ ہے۔ یہ آخری دروازہ ہے جس کے ٹوٹ جانے کے بعد نفس امارہ کے حملوں کا شکار ہونا مقدر ہو جائے گا۔ آدمی کے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو یہ کر لے، پھر بھی بار بار کسی کم زوری کا اعادہ ہوتا ہے تو پھر تو بہ کے ساتھ صدقہ اپنے اوپر لازم کر لیا جائے۔ فلاں کم زوری کو واقع ہونے نہیں دوں گا، فلاں برائی کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ اس کا قصد کیا جائے پھر اگر اپنے عہد پر ٹھہر نہ جائے تو ایک Penalty اپنے اوپر لازم کر لے وہ یہ ہے کہ اتنی رقم صدقہ کروں گا۔ تم کی مقدار مار لی ہو جو جیب پر بھاری محسوس ہو۔ ایک باہن دو پارہ تین پارہ آدمی تو بہ کے ساتھ صدقہ کرے گا پھر آخر کار اس غلطی کی قیمت اتنی ہو جائے گی کہ ایک جنت کا چاہنے والا ممکن اس غلطی کا اعادہ نہیں کر سکے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفس امارہ کی فریب کاریوں سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین۔

نفس لواصہ

ہر انسان اپنے اندر نفس لواصہ (ضمیر) کا وجود رکھتا ہے۔ دنیا میں کیا صحیح ہے کیا غلط، اس کے پرکھنے کا وہ ایک اندرونی معیار رکھتا ہے۔ اسے یہ بات معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ جو کرنا ہے اس کے نہ کرنے پر اسے ملاست ہوتی ہے، وہ ایک ناخوش گواری کیفیت میں جکلا ہوتا ہے اور اسے احساس جرم ستاتا ہے۔ اس غیر مرئی خیر خواہ کا نام نفس لواصہ ہے۔

اسے یوں سمجھئے کہ اگر آپ کہیں کہ کسی کی جیب کاٹ لی جائے۔ اس کے جواز کی دلیل آپ یہ دیں کہ جس کی جیب کاٹنے کی بات کی جارہی ہے، وہ بڑا مال دار ہے۔ میں کہوں کہ یہ جائز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہم دونوں میں یقیناً اختلاف پیدا ہوگا۔ ہم دونوں کے اختلاف میں کون حق ہے اور کون ناحق ہے، ہم دونوں کے اس اختلاف میں حق کیا ہے؟ صحیح کیا ہے؟ اس کا فیصلہ کون کرے گا؟ کوئی اہل معیار ہو جس پر رکھا جاسکے۔ وہ اصل معیار نفس لواصہ ہے۔ اس کی عداوت سے کیا صحیح ہے کیا غلط کا فیصلہ بردقت مل جاتا ہے۔ اس پر قرآن نے اس کی شہادت اس طرح پیش کی:

لَا الْقِسْمُ بِيَوْمِ الْقِيَمَةِ وَلَا الْقِسْمُ بِالنَّفْسِ (التوبہ: ۶۰)

”نہیں، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔“

قیامت کس لیے؟ اس لیے ہی تو کہ اچھوں کو اچھائی کا اور بدوں کو برائی کا بدلہ ملے۔

اچھے اور برے کی تمیز ہو، دونوں کو ناپ تول کر دیا جائے کہ کیا صحیح تھا اور کیا غلط۔ قیامت میں فیصلہ خدا کا چلے گا۔ فیصلہ اس بات کا ہوگا کہ اس کے قانون کا کتنا احترام ہوا اور کتنا پامال کیا گیا۔ آخرت کے یہ تمام مرحلے ہر دن انسان کے نفس کے اندر بھی گزرتے ہیں، اندرون کا میزان ناپ تول کر لیتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ خدا ہے جو دیکھ رہا ہے، خدا کا ایک قانون ہے، یہ قانون ٹوٹے تو خدا کی پکڑ سے پہلے نفس (نفس لوامہ) مواخذہ کرتا ہے اور احساس جرم کی سزا دیتا ہے۔ اس لیے نفس لوامہ ایک معنی میں خدا کی آواز ہے۔

روزمرہ کی زندگی میں نفس لوامہ ہماری رہ نمائی کرتا ہے۔ ہم دکان پر بیٹھے ہیں، گاڑی بل ادا کرتا ہے، گتے پر معلوم ہوتا ہے کہ پانچ سو روپے کا ایک نوٹ زائد ہے۔ اسے رکھ لیا جائے یا واپس کر دیا جائے؟ یہ فیصلہ دنیا کے کسی Fast Track Court سے زیادہ سرعت کے ساتھ نفس لوامہ صادر کرتا ہے کہ زائد نوٹ واپس کر دیا جائے۔ اسی طرح صبح سے شام تک زندگی کے کسی مسئلے آتے ہیں، کیا رشوت لیں؟ کیا فلاں جگہ نکلیں؟ کیا فلاں پر نگاہ ڈالیں؟ کیا فلاں کو جھڑک دیا جائے؟ کیا فلاں چھیل دیکھیں؟ کیا فلاں ویب سائٹ پر نہنیں وغیرہ کے جوابات نفس لوامہ دیتا چلا جاتا ہے۔

عمومی یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ آخرت میں ان لوگوں کا کیا مشر ہوگا، جن تک رسول نہیں پہنچے تھے اور جن تک خدا کی مرضیات کا علم نہیں پہنچا تھا۔ اس کا جواب یہی ہے کہ پھر بھی وہ مسئول ہیں۔ رسول جو پیغام لاتا ہے وہ رہ نمائی کے خدائی انتظامات میں چھٹا انتظام ہے۔ اس سے قبل خدا تک رہ نمائی کرنے کے اور پانچ انتظامات اللہ تعالیٰ نے کر رکھے ہیں، جس سے انسان کی حد تک رہ نمائی پاسکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مسئولیت کی سختی میں کچھ کی ہو مگر ایسے لوگ بے تحاشے ہیں نہیں ہیں، جن سے اُن کے بھلے اور برے اعمال کے بارے میں سوال ہی نہ ہو۔ رسول کا آ جانا البتہ اتمام حجت کے لیے ہے۔ آپ برائے بحث بھی کوئی بہانہ پیش نہیں کر سکتے ورنہ (۱) کائنات (۲) ہر دن مشاہدہ میں آنے والی خدا کی رحمتیں (۳) قوموں کی تاریخ جن کا انجام ان کے کروت پر بلاگ اخلاقی فیصلہ ہے (۴) نفس لوامہ (۵) پھر آسمانی کتابیں، یہ انتظامات بھی خدائی انتظامات ہیں کہ انسان خدا کو پہچانے۔ اسی کے قانون پر چلے، اس کی پکڑ سے بچے اس کے دیے ہوئے آسمانی اخلاقی ضابطوں کی پاس داری کرے۔ بیرون میں کائنات خدا کا واضح Sign Post ہے۔

نفس لوامہ اندر کی دلیل ہے، شاید اس لیے ایمانویل کینٹ نامی جرمنی فلسفی نے کہا کہ ”اندرون کا اخلاقی قانون“ خدا کی عظمت کی زیر دست شہادت پیش کرتا ہے۔

اخلاقیات اور ضمیر

کسی بھی زمانے میں انسانی سماج اخلاق کے تصور سے خالی نہیں رہا۔ انسانوں میں سے دو چار فلسفیوں نے اس کا انکار بھی کیا تو عملاً اس کے پابند رہے۔ آگے اس کی مثالیں آری ہیں۔ ڈارون کا نظریہ ارتقاء، تازع لبقا، اور ہفائے بہتر (Survival of the fittest) کا کلیہ دیتا ہے۔ جب کھلم کھلا دنیا میں کم زوروں اور کمزوروں کی مدد، مظلوم کی دافردی، غیر معمولی حالات میں شجاعت و ہمت اور مجبوروں سے ہم دردی کو ہمیشہ قدرت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نظریات انسانی رویہ کو مٹے نہیں کرتے، بلکہ انسانی زندگی خود انسانی رویہ متعین کرتی ہے۔ ان اخلاقیات کا مصدر نفس لوامہ میں ہے۔ انسان کتنے ہی کام ایسے کرتا ہے، جسے وہ خود چاہتا ہے کہ نہ کرے اور کتنے ایسے کام وہ نہیں کر پاتا، جن کے بارے میں خود اس کا احساس ہے کہ انھیں کرنا چاہیے۔ اس کش مکش سے کوئی انسانی سیدہ خالی نہیں، کوئی بھی انسان اخلاقی اعتبار سے غیر جانب دار یا بندل نہیں ہوتا۔ عمل میں کوئی کیسا ہی کیوں نہ ہو سچائی، انصاف، مساوات و حریت کی ہمیشہ ستائش ہی ہوتی ہے۔

آزادی اور آواز ضمیر

انسان کو اللہ تعالیٰ نے آزادی کی نعمت سے نوازا ہے:

إِنَّا خَوَّضْنَا الْإِنْسَانَ عَلَى السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَيُّنَ
أَن يَخْجُلْنَهَا وَأَشْفَقْنَا مِنْهَا وَخَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نَارٍ
جَهَنَّمَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (الاحزاب: ۷۲)

”ہم نے اس انسان کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا، بے شک وہ بڑا ظالم ہے اور جاہل ہے۔“

اس آزادی کا استعمال صحیح ہو یا غلط اس کا تو ایک Indicator اللہ نے انسان کے اندر ضمیر کی شکل میں رکھ دیا ہے۔ دیے ہی جیسے بالک اور کار کے ڈیش بورڈ میں Indicator بتاتے رہتے ہیں کہ گاڑی کی رفتار کیا ہے۔ انجن کے اندر کی گرمی کتنی ہے؟ یا انجن میں آئل ہے کہ نہیں؟ وغیرہ۔

بیرون میں اشیاء کا وجود غیر معروضی ہے۔ زمین سورج کے اطراف میں گھومتی ہے، ہم جانیں یا نہ جانیں یا ہم چاہیں یا نہ چاہیں، ہم نفرت بھی کریں جب بھی زمین گھومتی رہے گی۔ ہماری اخلاقی زندگی پر ان سب چیزوں کا دارومدار نہیں ہے۔ اس کے برعکس اندرون کی دنیا میں کسی بھی چیز کا وجود غیر معروضی نہیں ہے۔ ہمارے عمل، ہر حرکت، ہر اشارے اور ہر نیت کا تعلق ہمارے ضمیر اور اخلاق سے بہت گہرا ہے۔ (علی عزت بیوقوف) یہی وجہ ہے کہ نظریاتی سطح پر انسان بسا اوقات اخلاق، ضمیر، خدا اور حساب و کتاب کا انکار بھی کرتا ہے مگر اندرون کی دنیا میں ضمیر کی آواز کو یاد دہاس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

(۱) سگنڈ فرائڈ نے ڈوٹوک الفاظ میں اخلاق، ضمیر، احساس جرم وغیرہ کا انکار کیا مگر

خود اپنی زندگی میں وہ چند اخلاقیات کا پابند تھا۔ وہ جنسیات کے معاملے میں نظریاتی سطح پر بے قید آزادی کا وکیل تھا۔ مگر خود اس نے لکھا ہے کہ یہودی مذہب پر عمل کرتے ہوئے اس نے صرف ایک بیوی پر اکتفا کیا۔ اس طرح اپنے ایک دوست کو خط میں لکھا ہے کہ ”اخلاقی لحاظ سے میں اتنا ہی اچھا ہوں جتنا کرتم۔ میں اپنے آپ کا ان لوگوں سے موازنہ کر سکتا ہوں، جو میرے علم میں اخلاق کے اعتبار سے اچھے ہوں، میں اپنے آپ کو ایک بااخلاق انسان تصور کرتا ہوں۔“

یہ جملے عمر کے آخر حصے میں مختلف اوقات میں اپنے دوستوں کو لکھے گئے خطوط میں ملتے ہیں۔ یہ اس کے نظریات نہیں بلکہ اس کے ضمیر کی آواز ہیں۔

(۲) کانٹ جرنی کا مشہور فلسفی گزرا ہے۔ اس کی Critique of Pure

Reason نامی کتاب میں اس کی عقل اس کی منطقی دلیل کی قوت ظاہر ہوتی ہے۔ جب کہ اس کی دوسری کتاب ”Critique of Practical Reason“ میں تصور خدا، اخلاقیات اور تقدیر

وغیرہ پر شرح صدر کا اظہار کرتا ہے۔ جب کہ پہلی کتاب میں ان کی بنیادوں کو اس نے ڈھار دیا تھا۔ اس دوسری کتاب میں اس کا ضمیر گویا ہے۔

(۳) آئٹنس ٹائن دنیا کا عظیم سائنس داں مانا جاتا ہے۔ حجم، وزن، قوت، رفتار اور

شعائیں اس کے موضوعات رہے ہیں۔ یہ حیثیت سائنس داں وہ فطرت، عقل اور دلیل و برہان کا آدمی تھا۔ مگر یہ حیثیت انسان اور ایک صاحب فہم لوامہ کے اخلاقی امور میں وہ وہی ناول نگار و دستور نگار کی ناولوں کا دول داد دہ تھا۔

(۴) فرانسس فو کو ایامریکی دانشور اپنی پہلی کتاب The end of history

”the last man“ میں امریکہ کی نظریاتی برتری پر رطب المہمان ہے۔ جب کہ اس کی دوسری کتاب ”The great disruption“ میں اس نے امریکی سماج میں خاندانی نظام کے درہم برہم ہونے پر اپنی زبردست تشویش کا اظہار کیا ہے۔ پہلی کتاب میں غرور و تکبر ہے اور دوسری کتاب میں تاسف و ہم دردی کے جذبات جھلکتے ہیں۔ دوسری کتاب میں فو کو ایام کا ضمیر بولتا ہے۔

(۵) جنوری یونگ اپنے نظریاتی ارتقائی مرحلے میں ملحد ہو گئے تھے۔ اپنی ڈاکٹریشی کی

تھیسس پیش کرنے کے لیے جس وقت وہ متجن کے بلاوے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، تب بھی ان کے ذہن میں تھیسس کے موضوع کے بہ جانے ”وجود باری تعالیٰ کے انکار کے دلائل“ ہی ذہن میں منڈلا رہے تھے۔ مگر ان کا اعتراف ہے کہ اس مرحلے میں بھی وہ عقل سے خدا کے انکار کے دلائل تو پیش کر سکتے تھے مگر اس وقت بھی قلب کے اندر وہ خدا کے وجود کے انکار کی ہمت نہیں کر پاتے تھے۔

ہم نے عام انسانوں کی نہیں بلکہ دنیا کے ذہین ترین لوگوں کی مثالیں درج کی ہیں، جو عقل اور نظریات کی سطح پر ملحد تھے یا تصور اخلاق وغیرہ کو ڈھکوسلہ کہتے تھے۔ مگر نفس لوامہ کی قوت کا اندازہ بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح وہ دہائیاں کرتے تھے، جس سے صاف دکھائی دیتا ہے کہ اب ان کا ضمیر بول رہا ہے۔ ضمیر کی یہ قوت ایک زبردست قوت ہے۔

انسان اپنے ضمیر کے مطابق جینے پر مجبور ہوتا ہے نہ کہ اپنے نظریات کے مطابق۔

پڑے لوگوں کو ”قتل رحم“ کے ذریعے موت کے گھاٹ اتار کر راحت پہنچا دی جائے۔ مغرب کے پارلیا منٹ میں اس سلسلے میں بحثیں ہوئی ہیں۔ ان کی جیکلک ضرورت سائنس کے دائرہ کار سے متعلق ہے مگر ان کا استعمال، اخلاق اور ضمیر طے کرتے ہیں۔ اس لیے آج بھی حکمرانوں، سائنس دانوں کے نزدیک ”قتل رحم“ قتل انسان ہی مانا جاتا ہے۔ گو کہ کچھ لوگ اس کے حق میں ہیں۔ ڈاکٹرز کے نزدیک بھی یہ ایک ایسا عمل ہے جو قتل کے زمرے ہی میں شامل ہے۔ نفس لواصہ اس امر میں بھی اپنا کام انجام دے رہا ہے۔

(۳) استقاطِ حمل

یہ وہ بدترین کام ہے، جسے ہر سماج، ہر زمانے اور ہر مذہب میں برانا مانا گیا۔ احکامِ شریعہ میں چھٹی تعلیم یہی ہے کہ کسی نفس کو قتل نہ کرو۔ انجیل میں بھی یہی تعلیم ہے۔ گوتم بدھ نے جن چار بدے گناہوں کا ذکر کیا ہے، ان میں ایک قتل نفس بھی ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی میں دلائی لاما سے جب استقاطِ حمل کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے یہی بتایا کہ ”ایک زندہ ہستی کا قتل، استقاطِ حمل کی شکل میں بدترین عمل ہے۔“ سماج کا مجموعی ترجیح بھی استقاطِ حمل کو ناجائز ہی قرار دیتا ہے۔ بہت سے ممالک میں استقاطِ حمل قانونی سطح پر جائز بھی ہو تب بھی اخلاقی سطح پر برائی تصور کیا جاتا ہے۔

کلوٹنگ، ضبط و لادت وغیرہ امور اس قبیل کے ہیں، جن پر کہیں عمل بھی ہو جائے تو انسانی ضمیر کی لامست سے اپنا پیچھا چھڑانا زندگی بھر کے لیے ناممکن ہو جاتا ہے۔

نفس لواصہ اور فرائڈ

سگنڈ فرائڈز دنیا کا ایک عظیم باہر نفسیات مانا جاتا ہے۔ وہ یہیل نفسیات (Psycho-analysis) کا موجد ہے۔ اس نے تین خزاں مریضوں کا معائنہ کیا، ان کے ریکارڈ محفوظ کیے اور ان ڈائنامیکی روشنی میں انسانی نفسیات کو سمجھنے کی اس نے کوشش کی۔ آگے نفس لواصہ پر اس کے نقطہ نظر سے متعلق بحث ہے۔

انسان دوسروں کی نگاہ میں بڑا بننے کے لیے چاہے کچھ بھی راگ الاپ لے کر وہ اپنے اندرون سے یہ مشکل ہی خیانت کر سکتا ہے:

بَلِ الْإِنْسَانِ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَغِيرٌ فَرُطٌ (تیس: ۵۱، ۵۲)

”بے شک انسان اپنے آپ کو بظہر جانتا ہے، خواہ وہ کتنی ہی سہرے ترش چشیں کرے۔“

یہ تو افراد کی داستانیں تھیں۔ خود تو میں بھی جن نظریات پر عامل ہوں وہاں بھی بعض ان امور میں وہ کام نہیں کرتیں جو ان کے وضع کردہ اخلاقی نقطہ نظر کے مطابق ٹھیک بھی ہوں۔ مغرب میں ”لذت پسندی“ کا فلسفہ اخلاق پایا جاتا ہے۔ جہاں لذت پسالی ہی زندگی کا ہدف ہے۔ اس ہوس کے نتیجے میں جنسی بے راہ روی ان کا شعراء بن گئی ہے۔ مگر اس گئے گزرتے حال میں بھی اپنی ماں بہن کا وہ ایسی طرح احترام کرتے ہیں جس طرح کرنا چاہیے۔ شاید نفس لواصہ انھیں درندہ بننے سے بچائے ہوئے ہے۔ عقل اور منطق کی سطح پر بہت سے کاموں کو صحیح ثابت کیا جا سکتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے ان کے لیے آسانیاں بھی فراہم کر دی ہیں۔ تاہم ”جمہور سائنس دانوں“ کا ان عقلی اور منطقی ”جائزہ“ پیروں پر ”اجماع“ نہیں ہو رہا ہے۔ کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں۔

(۱) مصنوعی حمل آورگی

ہیلپ ویشری سائنس میں عمل میں آیا۔ یہ ٹیکنک آگے بڑھ کر مغرب میں انسانوں کے لیے بھی استعمال کیے جانے کی بات ہو رہی ہے۔ بلکہ کہیں کہیں مستعمل بھی ہے۔ Blood Bank کی طرح Sperm bank میں مرد کا مادہ منویہ ذخیرہ داندوز ہوگا۔ جب عورت کو بچے کی ضرورت ہو وہ ہسپتال جائے اور کسی مرد کی مریضہ منویہ موت ہونے کے بہ جائے خود سے وہ حاملہ ہو جائے۔ یہاں ممکنات میں سے ہے، مگر سماج کا مجموعی ضمیر اس ٹیکنک کی راہ میں حائل ہے۔

(۲) یوتھانا زیہ (Euthanasia)

اس عمل کے لیے ایک اور انگریزی لفظ Mercy Killing بھی مستعمل ہے۔ کوئی بھی انسان بالخصوص بوڑھے ضعیف، حد درجہ بیمار لاعلاج مرض کا شکار، یا مرض الموت میں مبتلوں

مل جل کر رہتے ہوں۔ دوسرے لفظوں میں ہمارے اخلاقی ضوابط ان بنیادوں پر مدون ہوئے، جنہیں انسان مفید اور ضروری سمجھتے ہیں۔ اخلاقی اصول ٹریک رولس کے مانند ہیں، جو ساج، ملک اور حکومت کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔ اس نقطہ نظر کا رد ایک اور ماہر نفسیات لیویس (C.S. Lewis) نے کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ہر چکر میں اخلاقی قوانین ایک ہی رہے ہیں۔ اس کے خواہر موجود ہیں۔ البتہ مختلف تہذیبوں کے درمیان کچھ فرق ضرور پائے گئے ہیں۔ مگر وہ فرق اتنے بڑے نہیں ہیں۔ اس کی تحقیق بتاتی ہے کہ انسانی تاریخ جب سے محفوظ ہے تب سے اس کے اخلاقی تصورات بھی محفوظ ہیں۔ رونے زمین پر انسانوں کو ہمیشہ اس کی فکر لاحق رہی ہے کہ وہ کس طرح کا برتاؤ کریں اور اس سے کسی بھی صورت میں وہ آزار نہیں ہو سکتے۔ ہاں اس اخلاقی معیار پر وہ پورے نہیں اترے اور اس کا انھیں احساس بھی ہوتا ہے۔ لیویس نے قدیم مصری، بابلی، ہندو، چینی، یونانی اور رومی تہذیبوں کا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ تہذیبیں اخلاقی نقطہ نظر سے ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہیں۔ کسی ایک ملک کا نام بھی بتا دیں جہاں میدان جنگ سے پیچھے پھیر کر بھاگ جانے کو رشک کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہو، یا کسی انسان نے اس بات پر فخر کیا ہو، یا اس نے ان لوگوں کے ساتھ درشت رویہ اختیار کیا ہو، جن سے اسے محبت اور اہم وردی ہو۔ مفاد پرست کو دنیا نے بھی عزت نہیں دی۔ قاتل کو ترغا نہیں دیا جاتا، انسانی خدمت ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں گھر پیدا کرتی ہے۔ رشوت ہر زمانے اور ہر سماجی میں بری ہی حال میں لگی تھی۔

۳۔ ضمیر کیسے بنتا ہے

ضمیر کیسے بنتا ہے؟ اس پر فرائنڈ کی اپنی ایک تھذیبی ہے۔ اس کا ماننا ہے کہ ہر بچے کے ارتقائی مرحلے میں (جب وہ تقریباً پانچ سال کا ہوتا ہے) ایک اہم تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اس کے والدین کا وہ جز، جو کہتا ہے کہ کیا صحیح ہے، کیا کریں یا کیا برا ہے، جس سے وہ بچیں اس کی ذات کا حصہ اندرون بن جاتا ہے۔

والدین کا یہ جز و اندرون اس کا ضمیر بن جاتا ہے۔ اس کے ایک حصے کا نام Super ego ہے۔ اس طرح تیردونی دنیا کا ایک حصہ کم از کم جزوی طور پر ایک معروضی شے کی حیثیت سے ترک کر دیے جانے کے یہ جائے انتخاب کر کے نفس کا حصہ بنا کر اپنی ذات کی اندرون دنیا کا ایک جز، لائیک بنالیا جاتا ہے۔ یہی ذہنی الجھنی اس کام کو تسلسل دیتے لگتی ہے، جو اس سے قبل

۱۔ بھلے اور برے کی تمیز

نفس لوامہ کا بنیادی کام یہ ہے کہ وہ بھلے اور برے کے درمیان تمیز کرتا ہے اور انسان کو قبل از عمل اور دوران عمل آگاہ کرتا ہے اور بعد از عمل ملامت کرتا ہے۔ مگر فرائنڈ کے نزدیک خدا کا وجود محض والدین کی اقتدار کی تسلسل ہے۔ ہم اپنے والدین کو تکلیف سے جوڑتے ہیں، جنھوں نے ہمیں بھلے اور برے کا سبق سکھایا۔ وہی باپ جس نے اسے جہنم دیا اور مہلکات سے تحفظ عطا کیا اس نے اسے سکھایا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ اس طرح بچے کو سماجی ذمہ داریوں سے واقفیت ہم پہنچاتا ہے۔ یہ کام ایک نظام کے تحت انجام پاتا ہے، جس میں محبت اور مراؤں کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ جب بچہ بڑا ہوتا ہے تو انسان کو بھلے اور برے کی تمیز اس کے والدین کی تعلیمات ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ والدین کی جانکر وہ پابندیوں اور مطالبات ہی سے اس کے اندر اخلاقی شعور میر کی شکل میں پائے جاتے ہیں، ورنہ ”ضمیر“ کوئی معروضی وجود نہیں رکھتا۔

اس بات سے انکار نہیں کہ اخلاقی قانون انسان اپنے والدین کی تعلیمات سے لیتا ہے۔ مگر یہ بات نفسیات کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے اور بالعموم والدین بھی جانتے ہیں کہ ہم

اپنے بچے کو بالکل وہ نہیں بنا سکتے، جو ہم چاہتے ہوں۔ اگر ہم ایسا کر سکتے ہیں تو انسانی آزادی کی نفی ہو جائے گی۔ ہر انسان آزاد ہے۔ اپنے مزاج، کردار، سوچ اور صلاحیت میں وہ منفرد ہوتا ہے۔ مشابہہ ہوتا ہے کہ بہت سے ماں باپ برے ہوتے ہیں اور بچے ہونہار نکلتے ہیں اور بسا اوقات ماں باپ اچھے ہوتے ہیں اور بچے برائی کی راہ پر چل پڑتے ہیں۔ اگر ماں باپ کی وجہ سے بچے اچھے بن جائیں تو پھر نظریہ جبریت کو ماننا پڑے گا اور اگر انسان ماں باپ کی وجہ سے مجبور ہے کہ وہ اچھا بنے تو اس کی آزادی کی نفی ہوگی۔

۲۔ اخلاقی قانون آفاقی نہیں

سگمنڈ فرائنڈ کا یہ بھی خیال ہے کہ اخلاق کے آفاقی اصول نہیں ہیں۔ یہ انسانی سماج کی ایجاد ہیں۔ وقت اور ضرورت کے تحت انھیں وضع بھی کیا جاتا رہا اور بدلتا بھی جاتا رہا۔ جن فلسفیوں نے اخلاق کے آفاقی اصولوں کی دکالت کی ان کی رائے محض سے متصادم ہے۔ کردار اور اوصاف کسی اخلاقی نقطہ نظر کی بنیاد نہیں بلکہ سماج کی ان مجبوریوں کی وجہ سے ہیں، جہاں انسان

ضمیر کا یہ رویہ ایسا لگتا ہے کہ گویا وہ پورا وقت ان الزامات کو جمع کرنے میں صرف کرتا رہا اور اسی وقت کا وہ منتظر رہا جہاں وہ اپنی قوت استعمال کرتا ہے تاکہ الزامات کو کھوج کر یہ کرا دیں۔ نفس اور ان کی بنیاد پر سرزنش کا فیصلہ سناتا رہے۔ فرائڈ کے مطابق اسی طرح ضمیر بے چارہ غریب نفس پر سخت ترین اخلاقی معیار نافذ کرتا رہتا ہے اور نفس ضمیر کے جرم کو کم پر ہو جاتا ہے۔ عمومی طور پر ضمیر اخلاق کی پابندی کا دعوے دار ہوتا ہے، ہمیں اسی وقت محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت ہمارا احساس جرم دراصل ہمارے اندرون میں نفس امارہ ego اور ضمیر Super ego کے درمیان لڑائی جانے والی شدید کش مکش کا اظہار ہے۔ کچھ ذہنوں کے بعد یہ ہنگامہ فیزیکی ختم ہو جاتی ہے۔ ضمیر کی تنقید خاموش ہو جاتی ہے اور نفس پھر موتا ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ نفس زندگی کے مرے لوٹتا ہے جب تک ضمیر کا دوسرا حملہ نہ ہو جائے۔ جب ضمیر خدا کا بنایا ہوا ہے تو یہ یقینی معاملہ کیوں بن جاتا ہے۔ پھر فرائڈ ایک بوالغصہ لی بیان کرتا ہے کہ یہ احساس جرم نفس کو امدم کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک مورد ٹائی اثر کی وجہ سے ہے۔ اپنی ایک کتاب میں وہ لکھتا ہے کہ انسان اپنے آغاز کے دور میں ریویژر کی شکل میں رہا کرتے تھے۔ باپ اسی ریویژر کا جابر نگہبیاں تھا تمام عورتوں کو اپنے قبضے میں کر رکھا تھا۔ اس کے اپنے لڑکے چوں کہ اس کے لیے خطرہ تھے اس لیے یا تو انھیں قتل کر دیتا تھا یا بھگا دیتا تھا۔ ایک دن اس کے بیٹے جمع ہوئے اور اس کا باپ کو جو ان کا دشمن بھی تھا اسے قتل کر دیا اس عمل کی وجہ سے اس کے لڑکوں میں ”احساس جرم“ نے جنم لیا اور پھر یہ احساس جرم ان کے بچوں میں موروثی طور پر منتقل ہوتا چلا گیا۔

ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ فرائڈ پر یہ مقولہ صادق آتا ہے۔ اس پر تفصیلی تنقید کے یہ صفحات مختل نہیں۔ مگر اتنی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ اگر قتل نے احساس جرم میں مبتلا کیا تو اس کی وجہ یہی ہے کہ بچوں نے وہ کام کیا جو انھیں نہیں کرنا تھا۔ اس پر ان کے ضمیر نے علامت کی۔ اگر ضمیر ہند ہوتا تو علامت کس بات پر؟ اگر ضمیر خدا کی آواز ہے تو انسان کی ایجابی کسر ضرورت کے تحت ہوتی؟ علامت اور سرزنش کی کہاں سے نمودار ہوتی؟ دوسری بات یہ کہ انسان ریویژر کی شکل میں رہتے تھے، یہ ایک تحلیل تو ہو سکتا ہے مگر تاریخی ثبوت اس کے لیے موجود نہیں ہے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ فحش، غم، شرمندگی اور فخر وغیرہ انسان کے کسی اوصاف ہیں نہ کہ مورد ٹائی۔ جدید علم الجینٹین (Genetics) نے اس نظر پر

والدین انجام دیتے رہے۔ یہ ضمیر اب نفس امارہ پر نگاہ رکھنا شروع کر دیتا ہے۔ احکام صادر کرتا ہے، قوانین بناتا ہے اور سزاؤں سے ڈراتا ہے بالکل والدین کی طرح، جن کا مقام اب یہ حاصل کر چکا ہے۔ اس طرح انسان کے ارتقائی مرحلے میں بیرونی جبر دھیرے دھیرے حصہ اندرون بن جاتے ہیں، جس کے بعد نفس کا ایک حصہ ضمیر وہ ذمے داری سنبھال لیتا ہے اور ”جبر کرنا“ اپنے احکام میں شامل کر لیتا ہے۔ فرائڈ نے یہ یونانی قلعہ تو تفسیر کیا مگر خود اس کی سوانح حیات پڑھنے سے یہ قلعہ ڈھسے جاتا ہے۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء میں، جیسے ہندو سے انسان بنتا ہے، اسی طرح فرائڈ کے نظریہ ارتقاء میں والدین کی تعلیمات ضمیر بن جاتا ہے۔ ڈارون کے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہے کہ ارتقائی مرحلے طے کرنے کے بعد انسان کیسے اچانک کانٹے کا درخت بن گیا؟ اسی طرح مذہبی گھرانے میں ملنے والے ”مذہبی ضمیر“ پانے کے بعد فرائڈ کیسے خدا بنے زادہ مذہب دشمن اور اخلاق سوز بن گیا؟ حالاں کہ فرائڈ کا باپ ایک باگل یہودی تھا۔ اپنے گھر میں تو رات کی تلاوت میں مصروف رہتا تھا جھرنی زبان روانی سے بولتا تھا۔ اپنے بچوں کو تو رات کے قصص سناتا تھا۔ اس بچے گھر ایک نوکری تھی، کالی برصورت تھی مگر ذہین اور مذہبی تھی۔ فرائڈ کو مستقل وہ جاب گھر لے جایا کرتی تھی اس کا اثر یہ ہوا کہ فرائڈ کے ماں کے بیان کے مطابق فرائڈ بچپن میں چرچا سے وابستہ گھر آ کر والدین اور بھائی بہنوں کو مذہب کی تبلیغ کرتا کیا یہ بات محض خیرو نہیں کہ سارے انسانوں کو والدین کا سکھایا سبق حصہ اندرون بن کر ضمیر بن جائے، مگر فرائڈ پر مذہبی تعلیمات کا اثر ہو کہ وہ خود ضمیر کا دشمن بن جائے؟

۴- احساس جرم اور ملامت

انسان کو جو کام کرنا تھا وہ کرے یا جو نہ کرنا تھا وہ کر بیٹھے تو نفس لوا ملامت انسان کو احساس جرم میں مبتلا کرتا ہے اور ملامت کرتا ہے۔ اس کی توجیہ فرائڈ کے نزدیک یہ ہے کہ انسان جب ڈپریشن کا شکار ہوتا ہے تو احساس جرم میں مبتلا ہوتا ہے۔ جب ڈپریشن کم ہو جاتا ہے تو احساس جرم بھی جاتا رہتا ہے۔ جب ذہنی طور پر انسان بیمار ہوتا ہے تو ایسے میں Super ego یعنی ضمیر دار مذہبون جاتا ہے۔ بے چارہ نفس کو ملامت کرنے لگتا ہے۔ شرمسار کرتا ہے اور برا سلوک کرتا ہے، سخت سزاؤں سے ڈراتا ہے۔ ماضی بعید میں کبھی کوئی ایسی حرکت سرزد ہو گئی ہو، جسے اس وقت معمولی سمجھ کر انجام دیا گیا ہو تو اس کی خواہ مخواہ دلاتا ہے۔

کو رد کر دیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک خوش حال باپ کا بیٹا ہمیشہ جین کی بائسری بجاتا۔ ایک عظیم باپ کی اولاد رو تے بلہاتے ہی زندگی بسر کرتی۔ مگر زندگی کا مشاہدہ اس کی صداقت پر دلائل فراہم کرنے سے قاصر ہے۔

فرائز کے نفس لواحد کے سلسلے میں یہ خیالات اس کی خدا پیراری اور خدا سے بقاوت کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں۔ یقیناً اس نے علم میں دسترس حاصل کی مگر یہ علم ”علم غیر نافع“ ہے، جس سے نبی ﷺ نے پناہ مانگنے کی دعا سکھائی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ۔

”اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے۔“

نفس لواحد کی حساسیت

نفس لواحد کا وجود تخلیق انسانی کے مرکب کا ایک جز لا ینفک ہے۔ کوئی انسان بھی نفس لواحد کی فعالیت، سرگرمی اور حساسیت سے خالی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہر انسان کے نفس لواحد کی کیفیت یکساں ہے؟ کیا نفس لواحد کی حساسیت کی تقسیم تمام انسانوں میں مساوی ہے؟ یا فرد فرد کے درمیان فرق ہے؟ کیا انسانی ضمیر ہمیشہ زندہ رہتا ہے؟ یا کبھی اس پر موت بھی طاری ہو جاتی ہے؟ ضمیر موجود ہے مگر اس کی آواز کبھی کیوں بہت دھمی اور کبھی بہت تیز ہو جاتی ہے؟ اس معاملے میں فطرت اور تاریخ انسانی کیا شہادت پیش کرتی ہے؟ ان سطور میں انھیں سوالات کا تفصیلی جواب پیش نظر ہے۔

جب جرمن فلسفی ایمانوئل کینٹ نے کہا تھا کہ تاروں بھر آسمان اور زندہ ضمیر خدا کی دو عظیم تخلیق ہیں، تو اس کے جواب میں سکر خدا سگنڈ فرائز نے کہا تھا کہ اگر خدا ہے تو تاروں بھر آسمان تو اس نے خوب بنایا۔ مگر ضمیر بنایا تو ناقص بنایا۔ کیوں کہ ضمیر کی تقسیم انسانوں میں غیر مساوی ہوتی ہے۔ کسی کا ضمیر رد عمل میں تخیل کرتا ہے تو کسی کا نفس لواحد سست گام ہے۔ کسی کو ضمیر کا دافتر دھرنے لگیب ہوا ہے تو کسی کو ضمیر کی تقسیم میں خدا نے متخل سے کام لیا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ہر انسان کے نفس لواحد کی کیفیت یکساں نہیں ہے۔ کسی کا ضمیر زیادہ سرگرم و فعال ہوتا ہے تو کسی کا ضمیر سرد مہری کا شکار ہوتا ہے۔ کوئی حساس نفس لواحد اپنے سینے میں رکھتا ہے تو کسی کا نفس بے جسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ خدائی تخلیق کا ناقص نہیں بلکہ کمال ہے۔ سب کا ضمیر متحرک ہو جائے اور غلط کام سے روک دے، تو پھر ضمیر تیزی سے کام کر کے سب کو سیدھی راہ پر

چلا دے گا۔ جو خدائی اکہم کے منافی ہے۔ ضمیر کا کام ٹوکنا ضرور ہے مگر کوئی اس کا کام نہیں۔ ضمیر صرف ایک الارم ہے، گھنٹی بجانا اس کا کام ہے مگر سوتے انسان کو جگا کر اٹھا کر کھڑا کر دینا اس کا کام نہیں۔ ضمیر گاڑی میں موجود ایک میٹر ہے جو آگاہ کرے گا کہ گاڑی کو کوڑا کرنے کا کام نہیں کرے گا۔ یہی وجہ بھی گاڑی چلانا چاہتے ہوں تو انٹر میٹر پر ایک دبا کر گاڑی کو کوڑا کرنے کا کام نہیں کرے گا۔ چور چوری ہے کہ لوگ مستقل برائی کرتے چلے جاتے ہیں۔ شرک، جوں کے آگے سر جھکاتا ہے۔ چور چوری میں مشتاق بن جاتا ہے۔ رشوت خور کو روڑوں ردیوں کی ذخیرہ اندوزی کر لیتا ہے۔ سیاست دان جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ شراب، زنا وغیرہ کی لت پڑ جاتی ہے تو ان کی مستقل عادت بن جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کا ضمیر مرتعش جاتا، جیسا کہ ہمارے طور پر کہا جاتا ہے۔ بلکہ انسان اپنے کرتوت سے اسی کی آواز کو دبا دیتا ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً آگاہ کرتا رہتا ہے مگر انسان مٹی ان کی مٹی کرتا چلا جاتا ہے۔ مگر کبھی ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ نفس لواحد کی آواز کو وہ نہ لیتا ہے اور اپنی زندگی کی دھارا بدل لیتا ہے۔

ضمیر خدا کا عطیہ ہے مگر اس کی زندگی، سرگرمی اور حساسیت یہ سب انسان کی اپنی کوشش کا نتیجہ ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ نفس لواحد کا وجود یہی ہے مگر اس کی حساسیت کبھی ہے۔ نفس امارہ اور نفس لواحد کے درمیان ہر دن کشیدگی جاری رہتی ہے۔ جن کا نفس امارہ مضبوط اور قوی ہوتا ہے وہ نفس لواحد کو چھوڑ دیتا ہے یہی وہ وقت ہوتا ہے جب وہ دست گام ہوتا ہے یا سرزد رہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ خدائی تئیں کا نقص نہیں بلکہ انسان کے نفس امارہ کی زور آوری کا نتیجہ ہے اور جس نے نفس امارہ کو بیشتر بے مہار بنا کر چھوڑ رکھا ہے وہ مسئلہ ہے۔ اس کے برعکس وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کو فطرت پر بانی رکھا ہے۔ ان کا نفس لواحد حساس و بیدار رہتا ہے۔ جو کرنا تھا اس کے نہ کرنے پر وہ شرمسار ہوتے ہیں۔ اس طرح جو نہ کرنا تھا اس کے کر گزرنے پر بھی وہ ملول ہوتے ہیں۔

نفس لواحد کے دو کام

نفس لواحد کے دو کام ہیں۔ انسان کی برائی کا ارتکاب یا بخش یا شرمناک فعل سے قبل خوف اور گھبراہٹ محسوس کرتا ہے تو نفس لواحد کی حساسیت کی یہ واضح علامت ہے۔ مگر فعل کے

صدور ہونے کے بعد کبھی کبھی کسی بھی مرحلے میں شرمساری، ندامت اور ملامت کے جذبات بھی اگر پیدا ہوں تو یہ نفس لواحد کی حساسیت کا پچاس فیصد ہے۔ نفس لواحد کے ان دو کاموں کو تو ہم ہم نے دو اجزاء قرار دیا ہے۔ مؤخر الذکر ملامت، ندامت اور شرمندگی جو عزت نفس کے سبب پیدا ہوتا ہے۔ جب کہ برائی کرنے پر احساس ملامت، ندامت اور شرمندگی جو عزت نفس کے سبب پیدا ہوتا ہے۔ جس کا مطلب ہے پہلے بچے کو کام نام انھوں نے Ottappa دیا ہے، جس کا مطلب ہے برائی کرنے کا خوف۔ اور یہ دوسروں کے لیے عزت کے سبب پیدا ہوتا ہے۔ دونوں سے انسان اپنے انمردوں میں کرب اور بے چینی کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ مثلاً استحاط حمل (Abortion) اصل میں قتل اولاد ہے۔ جن کا ضمیر حساس ہوا انھیں اس برائی سے تحفظ مل جائے گا۔ جوں کہ قاتل کا لقب عزت نفس کے خلاف ہے اور قاتل کا عمل پیدا ہونے والے بچے کی عزت کے خلاف ہے۔

گو ہم ہمدھ نے اپنے شاگردوں کو خطاب کر کے کہا کہ ”یہ دونوں دنیا کے محافظ ہیں۔ ان کے بغیر کسی عورت کی عصمت کبھی محفوظ نہیں ہو سکتی ہے۔ ورنہ یہ دنیا اخلاقی زوال کا شکار ہو کر ایک ایسی صورت حال پیدا ہو جائے گی جو صرف بکریوں، مرغیوں، سوروں، کتوں اور لومڑیوں کے لیے جینے کے لائق بن جائے گی۔“ اس جملہ کو نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر خواجہ ہارنرفیات نے لکھا ہے کہ کسی انسان سے ایک ایسی صلاح کو پکڑنے کے لیے کہا جائے جس کے ایک کنارے پر نجاست لگی ہو، اور دوسرا کنارہ آگ میں تپا کر سرخ کر دیا گیا ہو۔ حساس شخص پہلا کنارہ نفرت کے سبب پکڑ نہیں سکے گا۔ دوسرا کنارہ اس خوف کی وجہ سے پکڑ نہ سکے گا کہ کہیں ہاتھ جل نہ جائے۔ پہلی مثال ”پرہیزی“ کی ہے۔ تو دوسری مثال ”اوپیا“ کی۔ ”فلا خوفی علیہم ولا ہم یحزنون“ کی شاید ایک تعبیر یہ بھی ہے۔ ہدایت کا اتباع کرنے والے اپنے نفس کو امیر کا اقتدار حساس ضرور رکھیں گے کہ وہ برائی کے ارتکاب اور محالیت میں پڑ جانے کے سبب جو خوف کی کیفیت پیدا ہو جائے گی اس سے وہ محفوظ رہیں گے اور برائی کے ارتکاب پر حزن و ملال کی کیفیت جو پیدا ہوتی اس سے وہ دوچار نہ ہوں گے۔ نفس لواحد کی حساسیت ہدایت کے اتباع میں ہے اور جو ہدایت کا اتباع کریں گے وہ جنت کے مستحق ہوں گے جہاں نہ خوف ہوگا اور نہ غم۔

نفس لواہم کی حساسیت میں سب سے اعلیٰ مثالیں ہمارے سامنے انبیاء کی آتی ہیں۔ قرآن میں ان کے شعور و ضمیر کی بیداری کے نمونے عام انسانوں کی اصلاح حال کی خاطر نقل کیے گئے ہیں۔ ان مقامات کی تفسیر میں عصمت انبیاء کا وہ پہلو سامنے آتا ہے جو پرانا تذکرہ ہے اور حق طائنداز بیاں کا متقاضی ہے۔ اس کے برعکس ہم ان واقعات سے ضمیر کی بیداری اور نفس لواہم کی حساسیت کے اسباق کا استخراج کرنا چاہتے ہیں۔ ان واقعات کے تین اقسام ہیں: (۱) ان انبیاء کے واقعات ہیں جہاں ان کے نفوس لواہم نے بڑی سرعت کے ساتھ بتا دیا کہ ”جو نہیں کرنا تھا وہ کر گئے۔“ (۲) دوسرے ان انبیاء کے واقعات ہیں جن کے نفوس لواہم نے بھی بڑی تیزی کے ساتھ بتا دیا کہ ”جو کرنا تھا وہ نہیں کر سکے۔“ (۳) تیسرے وہ واقعات ہیں جہاں نفس لواہم نے آن واعد میں بتا دیا کہ ”جو نہیں کرنا چاہیے وہ نہ کریں۔“

پہلی قسم میں حضرت آدم علیہ السلام کی مثال سنی اول ہے۔ اور دوسری میں حضرت یونس علیہ السلام کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثالیں بھی مختلف اقسام سے متعلق رکھتی ہیں۔ آئیے قرآن سے ہم ان واقعات کا مطالعہ کریں۔

حضرت آدم علیہ السلام

”اور ہم نے حکم دیا آتم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو۔ پھر جس جگہ سے چاہو دونوں کھاؤ مگر اس درخت کے پاس مت جاؤ ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں دوسرہ ڈالا تاکہ ان کی شرم گاہیں جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھیں دونوں کے رو بہ رو رہ کر پودہ کر کے اور کہنے لگا تمھارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا مگر تمھیں اس وجہ سے کہ تم دونوں کہیں فرشتے ہو جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ اور ان دونوں کے رو بہ رو قسم کھالی کہ یقیناً جانے میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔“

سوانہ دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا۔ بس ان دونوں نے جب درخت کو چکھا، دونوں کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے رو بہ رو ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے بچے جوڑ جوڑ

کر رکھنے لگے اور ان کے لب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کر چکا تھا اور یہ نہ کہہ چکا تھا کہ شیطان تمھارا سرخ و گنہگار ہے۔ دونوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“

تفسیر احسن البیان کا حاشیہ ملاحظہ ہو:

”توبہ واستغفار کے یہی کلہا پیٹ ہیں، جو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے چکھے، جیسا کہ سورہ بقرہ آیت ۳۷ میں صراحت ہے۔ گویا شیطان نے اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا تو اس کے بعد وہ صرف اس پر اڑ گیا بلکہ اس کے جواز و ثابت میں عقلی و قیاسی دلائل دینے لگا۔ نتیجتاً وہ راندہ و رنگہ اور ہمیشہ کے لیے ملعون قرار پایا اور حضرت آدم نے اپنی غلطی پر مذمت و پشیمانی کا اظہار اور بارگاہ الہی میں توبہ واستغفار کا اہتمام کیا تو اللہ کی رحمت و مغفرت کے مستحق قرار پائے۔ یوں گویا دونوں راستوں کی نشان دہی ہو گئی۔ شیطان راستے کی بھی اور اللہ والوں کے راستے کی بھی۔ گناہ کر کے اس پر اترنا، صراحت کرنا اور اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے دلائل کے انبار فراہم کرنا شیطان کا راستہ ہے۔ اور گناہ کے بعد احساس مذمت سے مغلوب ہو کر بارگاہ الہی میں جھک جانا اور توبہ واستغفار کا اہتمام کرنا بندگان الہی کا راستہ ہے۔“

یہ حضرت آدم علیہ السلام کے نفس کے حساسیت کی علامت ہے کہ ”جو نہیں کرنا تھا وہ کر گئے۔“ اس پر انھیں مذمت ہوئی اور توبہ واستغفار سے اپنی مصیبت کی طرف لوٹ آئے۔

حضرت یونس علیہ السلام

”اور بلاشبہ یونس نہیں میں سے تھے۔ جب بھاگ کر پہنچے پھر یہ کشتی پر، پھر ترعہ اندازی ہوئی تو یہ مغلوب ہو گئے تو پھر انھیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے آپ کو ملامت کرنے لگ گئے۔ پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اس کے پیٹ میں ہی رہتے۔“

حضرت یونس علیہ السلام عراق کے علاقے میں بنی بنا کر بھیجے گئے۔ یہ آشوریوں کا

پای تخت تھا۔ انھوں نے ایک لاکھ بیس سو سو بیسوں کو قیدی بنایا تھا۔ چنانچہ ان کی ہدایت درہ فہائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا۔ لیکن یہ قوم جب آپ پر ایمان نہ لائی تو اپنی قوم کو ڈاڑھ کا خنجریب تم خدا اب الہی کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ عذاب میں تاخیر ہوئی تو اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے طور پر وہاں سے نکل گئے اور سمندر پر جا کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی سواروں اور سامانوں سے بھری ہوئی تھی۔ سمندر کی موجوں میں گھر گئی اور کھڑی ہو گئی۔ اس کا وزن کم کرنے کے لیے کسی ایک آدمی کو کشتی سے سمندر میں پھینک دیا۔ جو بڑے سائے آئی تاکہ کشتی میں سوار دیگر انسانوں کی جانیں بچ جائیں۔ لیکن یہ قربانی دینے کے لیے کوئی تیار نہ ہوا، اس لیے قرعہ اندازی کرنی پڑی۔ اس میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام آیا اور وہ مغلو تین میں سے ہو گئے، یعنی طوعاً و کرہاً انھیں سمندر کی موجوں کے سپرد کرنا پڑا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انھیں تابت نگل لے۔ یوں حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے حکم سے مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔ اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام متعدد اندھیروں میں گھر گئے، رات کا اندھیرا، سمندر کا اندھیرا اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور انھیں اندھیروں سے اور مچھلی کے پیٹ سے نجات دی۔

(تفسیر حسن البیان)

حضرت یونس علیہ السلام کا یہ واقعہ بتاتا ہے کہ ”جو کرنا تھا وہ نہیں کر سکے۔“ یعنی انھیں مہر کرنا تھا، اپنے مقام پر حکم الہی کے آنے تک انتظار کرنا تھا، مگر وہ غصہ ناک ہو کر نکل پڑے۔ اس پر ان کے نفسِ لوامہ نے انھیں متنبہ کیا۔ وہ خود اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے، بالآخر جب وہ مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تو ان کے ضمیر کی آواز صرف یہی تھی: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ مُبْجِدُكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ ۝ (الانبیاء: ۸۷) ”نہیں ہے کوئی خدا مگر تو، پاک ہے تیری ذات،

بے شک میں نے قصور کیا۔“

حضرت یوسف علیہ السلام

”اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف علیہ السلام تھے، یوسف علیہ السلام کو بہلانا پھیلانا شروع کیا کہ وہ اپنے نفس کی گمرانی چھوڑ دیں اور دروازہ بند کر کے کہنے لگی آ جاؤ۔ یوسف علیہ السلام نے کہا اللہ کی پناہ وہ میرا رب ہے، اس نے مجھے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔ بے انصافی کرنے

والوں کا بھلا نہیں ہوتا، اس عورت نے یوسف علیہ السلام کی طرف قصد کیا اور یوسف علیہ السلام اس کا قصد کرتے اگر وہ اپنے پروردگار کی دلیل و برہان نہ دیکھتے۔ یونہی ہوا، اس واسطے کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں۔ بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔“ (یوسف: ۲۳، ۲۴)

یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کی مثال بتاتی ہے کہ کس طرح شرحِ لوامہ کی ٹوک و انہوں نے فوراً سنا اور وہ کام نہیں کیا جو نہیں کرنا تھا۔

ہائیل قابیل کا واقعہ

”آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا کھرا حال بھی انھیں سناؤ۔ ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا۔ ان میں ایک کی نذر قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی تو وہ کہنے لگا میں تجھے ماری ڈالوں گا۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ تعزلی والوں ہی کا عمل قبول کرتا ہے۔ گو تو میرے قتل کے لیے دست درازی کرے۔ لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ میں تو اللہ تعالیٰ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر پر رکھ لے اور دوڑ نیوں میں شامل ہو جائے، ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا، جس سے وہ نقصان پانے والوں میں سے ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوئے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا۔ تاکہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے۔ وہ کہنے لگا ہائے افسوس! کیا میں ایسا کرنے سے گیا گزرا ہو گیا کہ اس کوئے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفن دیتا۔ پھر تو وہ بڑا ہی پیشیاں اور شرمندہ ہو گیا۔“ (الامجاد: ۲-۳)

اپنے بھائی کے قتل کے بعد جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس وقت قابیل کو پیشیانی ہوئی اور اس کو نفس کی ملامت کا احساس بعد میں ہوا۔ معلوم ہوا کہ نفسِ لوامہ خاموش نہیں ہو جاتا بلکہ کسی موقع پر نفسِ لوامہ کی گھسان مکہ بازی کے وقت نفسِ لوامہ کی سرعت و فعالیت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ پھر ذرا دم لینے کے بعد نفسِ لوامہ کی کارکردگی کے خلاف وہ آواز اٹھاتا ہے۔ غنیمت ہے کہ آدمی اس وقت بھی کم از کم اس کو تن لے لے نجات کی راہ کاٹ سکتی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ بتاتا ہے۔

کم زور تھی اس لیے نانوے قتل کا وہ مرتکب ہوا۔ لیکن نفس لوامہ جو انسان کا حقیقی خیر خواہ ہے، اسی نے اپنی ایک آخری کوشش کر لی اور اس شخص کو خیر کی جانب آگے بڑھا دیا۔

ماعرز بن مالک کا واقعہ

بریدہ سے مروی ہے کہ ماعرز بن مالک نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا: ”اے اللہ کے رسول مجھے پاک کر دیجیے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تیرا براہ مولوث جا اور اللہ کے حضور توبہ واستغفار کر لے۔“ راوی کہتا ہے وہ تھوڑی دور تک واپس گئے، پھر لوٹ آئے اور آپ ﷺ سے پھر یہی کہا کہ ”اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے پاک کر دیجیے۔“ نبی ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ چوتھی بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں تجھے کسی چیز سے پاک کر دوں؟“ وہ بولے زنا سے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا: یہ شخص پاگل تو نہیں؟ آپ کو بتایا گیا کہ وہ پاگل نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ ایک شخص نے اٹھ کر ماعرز کے منہ کی بونٹھی تو اسے شراب کی بونٹھ لی۔ آپ ﷺ نے پھر حضرت ماعرز سے پوچھا: کیا تم نے زنا کیا ہے؟ انھوں نے کہا: ”ہاں۔“ اس پر آپ نے حکم صادر فرما دیا اور ان کو سنگسار کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے دو تین دن گزرے ہوں گے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تعریف لائے اور آپ ﷺ نے فرمایا: ”ماعرز بن مالک کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے جو اگر ایک پوری قوم کے درمیان تقسیم کر دی جائے تو ان سب کے لیے کافی ہو۔“

ماعرز بن مالک کی طرح غامد یہ قبیلہ کی ایک عورت کا اسی طرح کا واقعہ ہمارے سامنے ہے۔ ان میں سے کسی کے بارے میں یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس سخت سزا سے ناواقف رہا ہوگا، جو اس پر عائد ہونے والی تھی۔ یا اسے اس بات کا اندازہ نہ رہا ہوگا کہ اسے کتنے برے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ان کو کسی نے جرم کرنے سے روک نہیں دیکھا تھا کہ ان کا جرم ثابت کیا جاسکتا۔ اس کے باوجود ان دونوں نے رسول ﷺ سے بہت اصرار کیا۔ آپ ﷺ کی شفقت اور اسلام کی رحمت کا تقاضا ہوا کہ شبہ کی بنا پر ان کو سزا سے معاف رکھیں۔ لیکن ان دونوں نے بہت اصرار کیا۔ انھوں نے اپنے اوپر وہ سارے دروازے بند کر لیے، جن سے وہ بچ کر نکل سکتے تھے۔

۹۹ قتل کا واقعہ

نبی کریم ﷺ نے پچھلی امتوں کے واقعات میں سے کچھ واقعات بہ طور مثال سنائے ہیں۔ غالباً ان کی حیثیت مثالوں ہی کی ہے۔ کسی کو اعتراض ہو سکتا ہے کہ اسراہیل روایات اور حکایات کا سہارا کیوں لیا جائے؟ معلوم ہونا چاہیے کہ انسانوں میں سب شرائط اور بقراطی پیدا نہیں ہوتے۔ عام انسانوں کے فہم کی اتنی بلندی نہیں ہوتی کہ وہ صرف فلسفہ اور اصولوں سے بات کو سمجھیں۔ اسی لیے تقریب فہم کے لیے قصے اور واقعات کا سہارا لینا قرآنی اسلوب ہے اور نبی کریم ﷺ نے بہ حیثیت معلم و ماہر نفسیات اس طریقہ کا رکا بنایا بھی ہے۔ آج کے جدید محنت کے لکچرز میں واقعات سننا مریضوں کا معمول ہے۔ واقعہ کی سندا اور صحت دینی اور فقہی مسائل کے استنباط کے لیے تو ضروری ہیں مگر تعلیم و تربیت اور تذکرہ و ترمیم کے لیے واقعات و حکایت سے استفادہ نہ صرف کارگر ضروری ہے بلکہ عوامی سطح پر نفوذ کے لیے ناگزیر بھی ہے۔

مسلم اور احمد کی کتب احادیث میں یہ واقعہ منقول ہے کہ نبی ﷺ نے کسی زمانے کے ایک شخص کا واقعہ سنایا، جس نے ۹۹ قتل کیے تھے۔ مجرم کا ضمیر مرا نہیں تھا۔ بلکہ نفس لوامہ کی عدالت میں اس نے اپنے مجرم ہونے کا اقرار کر لیا تھا۔ اصلاح حال کی فکر لاحق ہوئی تو کسی بزرگ کے پاس گیا اور معلوم کیا کہ کیا اس کے جرم کی معافی ممکن ہے؟ ان بزرگ نے جب نفی میں جواب دیا تو اس نے ان کا بھی سر قلم کر کے ۱۰۰ اکی گنتی مکمل کر لی۔ پھر کسی نے بتایا کہ فلاں بستی میں ایک عابد رہتا ہے، ان سے ملو۔ وہ ان عابد سے ملاقات کے لیے چلا۔ لیکن راستے ہی میں اُسے موت آگئی۔ روح کو لینے کے لیے جیک روح کو لے جانے والے فرشتے اور بری روح کو لے جانے والے فرشتے دونوں آکر موجود ہو گئے۔ اختلاف اس بات پر ہوا کہ کون اس کی روح کو لے جائے گا۔ آخر کار حملہ اللہ تعالیٰ کے پاس گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین کو ناپ لو کہ خیر کی طرف بڑھتے ہوئے کتنی مسافت اس نے طے کی۔ فرشتوں نے ناپ کر دیکھا تو ایک قدم خیر کے راستے میں وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ لہذا ایک روحوں کو لے جانے والے فرشتوں کے حوالے اس کی روح کر دی گئی۔ نفس لوامہ کی حساسیت سے متعلق یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اس فرد کی حساسیت نہایت

نفس لوامہ کی تقویت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیکھنے، بولنے، سوچنے، محسوس اور احساس کی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ مگر ان کا تحفظ و بقا اور ان کی تقویت کے لیے انسان کو کوشش کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً آنکھ کی بینائی کا تحفظ یہ ہے کہ تیز روشنی میں کام کرتے ہوئے کالے چشمے سے آنکھوں کو محفوظ رکھنا پڑے گا۔ مستقل رات کی ڈرائیو تک بینائی کو کم زور کر دے گی، اس سے بچنا اس کا تحفظ ہوا۔ اسی کی تقویت کے لیے Vitamin A Corotine ایک وٹامن ہے، جو گا جراثیم گ میں زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے، ان کا کثرت سے استعمال آنکھوں کی تقویت کے لیے ضروری ہے۔

اسی طرح زبان کے ذائقے کی مثال ہے۔ کچھ ایسے پرورش بھی ہیں، جن میں زبان کی حساسیت کو باقی رکھنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً Tea Tasters (چائے کے ذائقین) یا Tobacco-Tasters (تمباکو کے ذائقین) اس طرح کے حساس ذائقہ رکھنے والے چائے کی کمپنیوں میں کام کرتے ہیں۔ وہ مختلف قسم کی چائے کی پتیوں سے بنی ہوئی چائے ایک ایک سپ لے کر ان پتیوں کے درمیان تیز کر تے ہیں اور درجہ بندی کرتے ہیں۔ میڑی ٹیکٹری میں، میں نے خود بعض ماہرین کو دیکھا ہے، جو بیک وقت سامنے رکھی ہوئی دس دس میڑیوں کا مش لے کر بتاتے ہیں کہ کس میں تمباکو کی کون سی کوٹائی ہے؟ یہ لوگ اپنی زبان کا تحفظ شعوری طور پر کرتے ہیں۔ نمک مرچ گرم مسالہ وغیرہ کے استعمال سے ان کی یہ خوبی جاتی رہتی ہے۔ بالکل اسی طرح نفس لوامہ کی حساسیت بچانے میں ماحول میں متاثر ہونی رہتی ہے۔ نفس لوامہ کی حساسیت کے تحفظ و بقا کے لیے ضروری ہے کہ انسان بعض لوازمات کی پابندی کرے۔ مزید اس کی تقویت کے لیے کچھ اعمال، مشاغل اور تراکیب ہیں۔ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتوں کی طرح ملامت کرنے والے ضمیر کا تحفظ و بقا اور تقویت و ترقی انسان کی کوششوں پر منحصر ہے۔

آخر یہ سب کیوں؟ ان کا یہ کہنا کہ اللہ کے رسول مجھے پاک کر دیجیے ان کے اندر ایک ایسی محرک قوت کے وجود کی نشان دہی کرتا ہے، جو خود زندہ رہنے کی خواہش پر بھی غالب ہے۔ یہ قوت ضمیر کی بیداری اور شعور کا احساس ہوتا ہے۔ یہ اس گناہ سے پاک ہونے کی طلب ہے، جس سے اللہ کے سوا کوئی اور واقف نہیں۔ یہ اس بات سے آنے والی شرم ہے کہ کل کو اللہ کے حضور اس حال میں حاضر ہونا پڑے گا کہ ایک گناہ کیا تھا، جس سے اب تک پاک نہیں ہو سکے۔

(اسلام میں عدل اجتماعی از سید قطب شہید)

قرآن، حدیث اور انسانی تاریخ سے یہ چند مثالیں تھیں۔ ورنہ تفصیلی طور پر مزید واقعات کو نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ ان واقعات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ ہر انسانی وجود کا نفس لوامہ جز لا ینفک ہے جو انسان کا بہترین ساتھی اور خیر خواہ ہے۔ اس کی فعالیت، سرگرمی اور حساسیت کو باقی رکھنا انسان کا اپنا کام ہے۔ نفس لوامہ کو اتنا قوی نہ ہونے دینا کہ وہ نفس کو اٹھا کر پچھا ڈرے۔ ہر دن اندرون ذات کی یہ کشمکش ایسی ہے، جس سے فراہمکن نہیں۔ مگر نفس لوامہ کی زندگی، عافیت اور سلامتی کی وجہ سے یہ کشمکش خوش گوار نتیجہ پیدا کر سکتی ہے۔

۱- نفس لواحد کی بنیے

جیروں کا کام ہے چنانچہ مگر زمانے کی تمام ظرفی یہ ہے کہ بالکل اور کار کے استعمال سے جو لوگ کم چلتے ہیں ان کے پیر کم زور ہو جاتے ہیں۔ چلنے کی صلاحیت میں کم زوری واقع ہو جاتی ہے۔ دنگے فسادات یا معمولی وقت میں بھاگ کر بس پکڑنا ان کے لیے محال ہو جاتا ہے۔ یہ اس لیے کہ جیروں کا کام چلنا ہے یہ کام اس سے جتنا زیادہ لیں گے اتنا وہ کم زور نہیں بلکہ مضبوط ہوگا۔ اس طرح نفس لواحد کا کام یہ ہے کہ وہ ہماری نیتوں، ارادوں، خواہشوں اور اعمال پر نگاہ رکھے اور اپنی رائے دیتا رہے۔ چوں کہ وہ ہمارا Impartial Spectator (غیر جانب دار ناظر) ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں، اس پر نفس لواحد نگاہ رکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہم اور نفس لواحد میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اس لیے نفس لواحد ”ہم“ پر نگاہ رکھتا ہے۔ آگے اپنے آپ کو دیکھ نہیں سکتی۔ اسی طرح ہم اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتے۔ البتہ ہمارا Innocent bystander (مضموم سامی) ہمارے ساتھ رہتا ہے اور غیر جانب دارانہ طور پر ہمیں مشہد کرتا رہتا ہے۔

ذہن میں خیالات کا ہجوم ہوتا ہے پھر وہ خیالات رفتہ رفتہ خواہشوں میں بدل جاتے ہیں۔ ذہن پر کنٹرول خواہشوں پر کنٹرول کے مترادف ہے۔ خیالات آوارہ گردی کرتے ہوئے ایک ٹرین حادثے کی طرح ہوتے ہیں، جب کہ ڈبے ایک دوسرے پر بے ترتیب اور ہنگامہ خیز انداز میں چڑھ جاتے ہیں۔ ڈیوڈ ہیوم نے بتایا ہے کہ خیالات پیدا ہونے کے تین اصول ہوتے ہیں:

(۱) مشابہت: جب ایک چیز کا ذکر آیا تو اس سے قریبی چیز ذہن میں آگئی۔ کسی کی تصویر دیکھی تو رخ زیاہٹا سامنے آگیا۔

(۲) قربت: کسی شہر کے قریب سے گزرے تو فلاں کی یاد رہتا گئی۔

(۳) وجہ اور اثر: کسی کے بھائی کی یاد آئی تو بہن بھی یاد آئی اس لیے کہ دونوں ایک

والدین کی اولاد ہیں۔ فرائلڈ کے مطابق محبت، نفرت، خواہش اور دوری کے بھی خیالات کے پیدا ہونے میں گہرے اثرات پاتے جاتے ہیں۔

بہر حال خیالات جیسے بھی پیدا ہوتے ہوں۔ انسان عموماً خیالات کی وادیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ کبھی یہ وجدان، تصورات اور تدبیر کی شکل بھی اختیار کرتے ہیں۔ یہ اس کا مثبت پہلو ہے۔ ورنہ خیالات کی وادیوں میں آوارہ گردی کرنے والے ذہن کو روک کر کارزار حیات کی

طرف لوٹانے کا بھی کام نفس لواحد کے ذمہ ہے۔ جدید اصطلاح میں اس کو Brain Watching، Brain spotting یا Mind mapping کہا جاتا ہے۔ ان تمام کاموں میں ایک ہی ہے اور وہ ہے ذہن پر نگاہ رکھنا۔ خیالات اور خواہشوں پر کنٹرول اسی وقت ممکن ہے، جب اس کی صحرا گردی سے واقفیت ہو۔ نفس لواحد بتاتا ہے کہ یہ تمہارا اس طرح خیالات کی دنیا میں گھومنا غلط ہے اگر تم یہاں یہ رک کر سکو تو عمل کی دنیا میں رکنا زیادہ ہی دشوار گزار ہو جائے گا۔ جہنور میں چھٹی کشتی کا یہ ملاح ثابت ہوتا ہے، جس کی آواز پر کان دھرنے سے کشتی ٹیکوں اور بھلائیوں کے ساحل پر لنگر انداز ہو سکتی ہے۔ ورنہ نفس لواحد توجہ جہنور میں ڈاکر ہی دم لیتا ہے۔ اس ملاح کو زندہ رکھے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کی نہیں۔ دوسرے الفاظ میں نفس لواحد وہ ریڈر (Radar) ہے جو صحیح اور غلط دونوں کو متنگل کے ذریعہ بتا دیتا ہے۔

ہماری شخصیت کے دو حصے ہیں۔ ایک فاعل دوسرا ناظر، ایک سچ دوسرا وہ جس کے بارے میں فیصلہ سنایا جاتا ہے۔ یہ فعل و نظریہ فیصلہ و عمل ہر آن واقع ہوتا ہے۔ فاعل اور عامل شخصیت کو چاہیے کہ وہ ناظر اور سچ کے فیصلے مختار ہے اور نظریہ اعتدال نہ کرے۔ یہ رویہ اس کی حساسیت کو باطنی رکھ سکے گا۔

۲- معاشرہ میں سے مدد لیجیے

شور کی گے اجلاس کا ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ ایک مقول بات بھی جب صرف ایک طرف سے آتی ہے تو نظریہ اعتدال ہو جانے یا کسی ان کی کردہ بنے کا امکان بہر حال ہوتا ہے۔ لیکن جب وہی بات دو تین جانب سے اٹھے تو اب صرف نظریہ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے، بلکہ اس بات پر دھیان دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ جب چہار جانب سے بات آنے لگے تو پھر اس رائے میں وزن پیدا ہو جاتا ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ نفس لواحد کا ہے۔ وہ اکیلا آواز اٹھاتا رہتا ہے، جب پیر وں سے بھی اسے مدد ملتی ہے تو وہ قوی ہو جاتا ہے۔ نفس کی تقویت کے لیے ضروری ہے کہ ہم بیرونی معاونین کی مدد لیں۔ امام خزانہ نے چار طریقوں کا ذکر کیا ہے۔ ہم انہیں طریقوں کو اپنی زبان میں عرض کرتے ہیں۔

(الف) مرشد کامل کے حوالے لیجیے

انسان اپنے محبوب، کم زور یوں اور نفس پرستیوں سے ناواقف ہوتا ہے۔ جب کہ دوسروں کے محبوب سے وہ خوب واقف ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کی جاہلیت ہے۔ نفس لواحد جن باتوں پر اندر سے متنبہ اور علامت کرتا ہے۔ وہی کام ایک مرشد کامل باہر سے کرتا ہے۔ پیر و مرشد کی یہ اصطلاح امام خزانہ نے سات سو سال قبل کے تاثر میں استعمال کی تھی۔ آج ان الفاظ نے

تھے۔ حضرت صدیقہؓ نے اہل مدینہ کو نبی ﷺ کی اس وقت کچھ باتیں بتائیں، جس وقت آپ ﷺ فسخے میں تھے۔ اس پر حضرت سلمان فارسیؓ نے آپ کو ٹوکا اور کہا کہ کیا نبی ﷺ نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ اس طرح کی باتیں لوگوں کو نہ بتائیں، کیوں کہ آپ دینی طور پر کسی سے قربت کے سبب کسی کی اصلاح کے لیے ایسا فرماتے تھے۔ تم جب یہ باتیں عرض کرو گے تو صحابی رسول کے بارے میں لوگ غلط اندازہ لگا لیں گے۔ اسی طرح صدیقہ بن ابیہانؓ جو صاحب ہر اور محرم راز تھے۔ نبی ﷺ نے انھیں منافقین کی فہرست بتائی تھی۔ حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں ان سے پوچھتے تھے کہ صدیقہ اللہ کے رسول ﷺ نے منافقین کے جو نام تمھیں بتائے ہیں، کہیں ان میں میرا نام تو نہیں تھا۔

(ج) دشمنوں سے اپنے محبوب معلوم کیجئے

بسا اوقات ہمارے دشمن ہم پر الزامات کی بوچھا کر دیتے ہیں۔ انا اور ضد کی وجہ سے ترکی بہ ترکی یا تو ہم جواب دے دیتے ہیں یا اپنی غلطیوں کی ہم تادیلی کرنے لگ جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی کچھ باتیں غلط ہوں یا انھوں نے اُن کو بتانے میں مبالغے سے کام لیا ہو اور ان باتوں کو تسلیم کرنا ہو سکتا ہے ہمارے لیے باعث عار ہو، مگر جو باتیں میں ٹھنڈے دل سے غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا نفس ولولہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ مثلاً کوئی ہم سے یہ کہہ دے کہ ہم غصہ کرتے ہیں تو ہم تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ بلکہ اس کا انکار اسی زور اور شدت سے کرتے ہیں۔ گویا جو الزام ہم پر لگایا گیا ہے، ہم عمل سے فوراً وہ بات ثابت کر دیتے ہیں۔ اس لیے ضمیر کی آواز کی محافضت بھی ہمارے نکتہ چین حضرات بھی کرتے ہیں۔ ہمیں ان کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ضمیر کی نجف آواز کو انھوں نے تقویت بخشی۔

(د) دوسروں کی برائی سے سبق لیں

کوئی جھوٹ بولتا ہے، تم کرتا ہے اور بددیانتی کرتا ہے تو ہمیں برا لگتا ہے۔ جب کوئی گندری باتیں کرتا ہے اور فحش لطیفے سناتا ہے تو ہمیں گھن آتی ہے۔ جب کوئی محبت کی شادی کرتا ہے یا جہیز طلب کرتا ہے تو ہمیں نفرت ہوتی ہے۔ جب کسی کے بارے میں پتا چلتا ہے کہ اس نے ہماری غیبت کی ہے، تو ہمارا خون کھول جاتا ہے۔ کوئی کارکن جب ہماری اطاعت نہیں کرتا تو ہم قرآن وحدیث کا حوالہ دیتے ہیں اور ظلم کے ڈنڈے سے اُسے ہانکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ تمام مواقع ہماری اصلاح کا بیجا سہما تھا لاتے ہیں۔ جھوٹ، ظلم اور بددیانتی ہمیں دوسروں کی بری

جو مفہوم اختیار کر لیا اس کی روشنی میں ہو سکتا ہے کسی کو اعتراض ہو۔ آپ چاہیں تو مرشد کامل کی بہ جائے صدر مقامی، امیر مقامی، بزرگ، مولانا وغیرہ کے الفاظ استعمال کر لیں۔ بہر حال اس بات سے کوئی بھی عقل مند آدمی انکار نہیں کر سکتا کہ نفس کے تزکیہ میں خامیوں کو دور کرنے میں، خرابیوں کے ازالہ میں، خوبیوں کے پروان چڑھانے میں، صلاحیتوں کے نکھارنے میں، جاہد متعمم پرالانے اور چلانے میں ایک استاد یا متقی مربی بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ شاگرد کی اخلاقی صورت حال کے پیش نظر اپنی وقت نظر سے اسدا اصلاح احوال کے لیے جو بات کہتا ہے، نفس لوامہ اندر سے کہتا ہے کہ یہی تو وہ بات ہے جو بد توں سے میں تمھیں سنا رہا ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے جب اسلام کی صدا بلند کی تو نفوس قدسیہ نے فوراً ایک اسی وجہ سے

کہا کہ وہی بات ان کے اندرون کی بھی صدا تھی۔ اسید بن جہیر بن عبداللہ شہل کو جب معلوم ہوا کہ مکہ سے کوئی نو جوان آیا ہے، جو ایک نئے دین کی تبلیغ کر رہا ہے تو وہ ان کے دوست سعد بن معاذ کے ایما پر اس باغ میں گئے جہاں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ اسید نے کہا کہ خیر چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے چلتے ہو۔ ورنہ... حضرت مصعب بن عمیرؓ نے پکار کر اسے لہجہ میں کہا کہ بھائی صاحب میری کچھ باتیں آپ سنئے اچھا لگے تو قبول کریں ورنہ رد کر دیں۔ ان کا انداز اتنا شیریں تھا کہ اسید وہیں گوازد میں پر یک کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے اسلام کی تعلیمات پیش کیں۔ جیسے جیسے اسید سنتے گئے ان کے دل کی دنیا لٹتی گئی۔ ان کو احساس ہو گیا کہ یہ تو وہی باتیں ہیں جو ان کے اندرون کا نا صحیح کہنا رہتا ہے۔ جب اندر کی آواز کو باہر کی آواز سے تعاون ملا تو فوراً وہ کلہ شہادت پڑھ کر دارہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

(ب) دوست صادق بنائیے

اپنے حلقوں میں بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسی کے اندر کوئی بری بات ہو تو ہم اسے وہ بات بتاتے ہوئے کھراتے ہیں۔ ہمیں یہ خوف ہوتا ہے کہ فلاں بات ہم سے بتائیں گے تو ہماری دوستی میں فرق آ جائے گا۔ یا ہمارا مقام و مرتبہ دوست کے دل میں کم ہو جائے گا۔ لہذا ہم خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسا کر کے ہم اپنے دوست کے ساتھ خیر خواہی نہیں بلکہ بدخواہی کرتے ہیں۔ نفس لوامہ جیسا خیر خواہ ہے، اسی طرح ایک دوست کو اپنے دوسرے کے حق میں خیر خواہ ہونا چاہیے۔ سلیقے کے ساتھ کسی کا عیب اور کم زوری بتانا ایک سچے دوست کی علامت ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ ”خدا اس شخص پر اپنی رحمتیں نازل کرے، جو میرے عیب میرے سامنے حققت پیش کرے۔“ گویا کم زوریوں اور عیوب سے واقف کرانے کو وہ اپنے حق میں بہترین گفت سمجھتے

جذبہ غیر کثیر نے شاید انھیں ایسا کرنے کی طرف مائل کیا ہو۔ مگر پھر بھی جیسے ہی مقدمہ کی شکل میں دوسروں کی ایک برائی سامنے آئی آپ علیہ السلام نے اسے ضمیر کی آواز کو محکم کرنے کا موقع پایا اور فوراً سجدے میں گر پڑے۔ نفس لوامہ کی تقویت کا یہ بھی اہم ترین ذریعہ ہے اور ایک نیا کا روٹن اسوہ ہماری رہ نمائی کرتا ہے۔

۳۔ تین اوقات میں نفس کو تلاش کرو

نبی ﷺ کی ایک حدیث میں ہے کہ اپنے نفس کو تین مواقع پر تلاش کرو (۱) تلاوت قرآن کے وقت (۲) ذکر و نصیحت کے وقت (۳) تنہائی میں۔ یہاں نفس سے مراد نفس لوامہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تلاوت قرآن نفس لوامہ کی تقویت کا بہترین اور اہم ترین ذریعہ ہے۔ قرآن اچھے اور برے کیہر ٹکڑا ذکر کرتا ہے۔ خدا کے محبوب اور مغضوب بندوں کا ان کے اوصاف کا ساتھ ذکر کرتا ہے۔ خدا کی نافرمانیوں کے انجام ہم کی داستان عبرت سے عا دلالتا ہے۔ جنہوں کا منظر کھینچتا ہے۔ اس طرح کے مقامات سے آدمی جب گزرتا ہے تو حساس آدمی محسوس کرنے لگتا ہے کہ کہیں اسی کا تو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ ع

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کھتا ہے نہ رازی نہ صاحب کشف

اسی طرح ذکر و نصیحت کی محفل یا ذہنی و تربیتی اجتماعات میں حاضری کے وقت ایسی باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں کہ دل کے اندر وقت اور گداز پیدا کر دیتی ہیں، وہ نصیحتیں اور وہ ہر روز باتیں ہمارے ضمیر کو چکا نے اور مضبوط کرنے کا گر ثابت ہوتی ہیں۔ پھر تنہائی کا ذکر آپ ﷺ نے کیا کہ تنہائی میں بالخصوص سوتے وقت، سجدہ کے وقت یا سفر میں انسان اپنے آپ سے بات کرنے میں مصروف ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا نفس امارہ اور نفس لوامہ پس میں بات کرنے لگتے ہیں۔ اگر آدمی اس موقع کو غنیمت جانے اور ان باتوں پر کان دھرتے تو اس وقت نفس لوامہ کی آواز وہ صاف اور واضح طور پر سن سکے گا جب اس کی بات سن لی جاتی ہے اور اس پر عمل ہوتا ہے تو وہ مضبوط اور جوان ہوتا ہے۔

۴۔ عبادت سے اثر لیجیے

عبادت پر آدمی غور کرے تو ان کی ہیئت اس طرح کی ہے، جس سے نفس امارہ کم زور پڑتا ہے اور نفس لوامہ مضبوط ہوتا ہے۔ تفصیل بیان کیے بغیر نماز، روزہ اور حج کا جائزہ لیں تو معلوم

لگتی ہے، تو فوراً اپنے نفس کا جائزہ لے کر ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کہیں ہم بھی اسی طرح کے کسی معاملے میں ان برائیوں کے شکار تو نہیں ہیں۔ گندگی اور فحش کام ہو جائے تو اس پر افسوس کرتے ہوئے یہ بھی جائزہ لے لینا چاہیے کہ اس دلدل میں ہماری ناگنگ کہاں تک پھنسی ہے۔ جہیز کی مخالفت میں تو ہماری تقریر کئی لوگوں نے پسند کی مگر جو سارے دلمان ہماری بیوی سمیت کر لائی ہے، اس کا کوئی اچھا سامنا ہم بھی ہم دے دیتے ہیں اور اسلامی دلیل بھی پیش کر دیتے ہیں۔ ایسے وقت میں سہی لینے سے ضمیر کو تقویت ملتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا اسوہ کثافت ہم نے مومنوں کی ہدایت کے لیے اسے نقل کیا ہے:

”بھلا آپ ﷺ کو ان اہل مقدمہ کی خبر بھی پہنچی ہے، جب کہ وہ لوگ داؤد علیہ السلام

کے عبادت خانے کی دیوار پھاند کر داؤد علیہ السلام کے پاس آئے۔ تو وہ ان کے اس طرح آنے سے گھبرا گئے وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ ذریعہ نہیں۔ ہم دو اہل معاملہ ہیں کہ ایک نے دوسرے پر کھڑا یاردی کی ہے۔ سو آپ ہمیں انصاف سے فیصلہ کر دیجیے اور ہم کو معاملے کی سیدھی راہ بتا دیجیے۔ پھر ایک شخص بولا صورتِ تقدس یہ ہے کہ یہ شخص میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ٹانوسہ دفنیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک آدمی دفن ہے۔ سو وہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھ کو دے ڈال اور بات چیت میں مجھ کو دباتا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے کہا کہ یہ جو تیری ذہنی اپنی دنیا میں ملا لینے کی درخواست کرتا ہے، وہ واقعی ظلم کرتا ہے اور اکثر کی حادث ہے کہ ایک دوسرے پر یوں ہی زیادتیاں کرتے ہیں۔ مگر ہاں وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اور یک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ داؤد علیہ السلام کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے سو انھوں نے اپنے رب کے سامنے توبہ کی اور سجدے میں گر پڑے اور رجوع ہو گئے۔“ (ص: ۲۱-۲۲)

ان آیات کے فہم میں بعض تفاسیر میں ایک نیا کی شان کے خلاف رطب و یابس بھرا ہوا ہے۔ لیکن تدبر قرآن میں جو بات گئی گئی ہے، وہ مناسب ترین ہے۔ حضرت داؤد کے پاس جو مقدمہ آیا اس میں ایک کم زور آدمی کی جائیداد ایک قوی اپنے زور پر لینا چاہتا ہے، یہ ایک ظلم اور برائی تھی۔ دوسرے حضرت داؤد کے ضمیر نے بتایا کہ وہ بھی اس طرح کے کسی معاملے میں فریق ہے ہوئے ہیں۔ وہ فرماں روا تھے۔ خلق کے فائدے کے لیے بسا اوقات حکومت بعض زمینوں کو Acquire کرتی ہے۔ مثلاً سڑک یا پل وغیرہ بنانے کے لیے ہو سکتا ہے کہ حضرت داؤد بھی کسی کے ساتھ اس طرح کے معاملہ سے دوچار رہے ہوں۔ اس میں نقصانیت کو کچھ دخل نہیں۔ بلکہ

نفس مطمئنہ

دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ سوال کے پرچے کچھ مختلف ہیں۔ البتہ جواب کی شیت سب کو یکساں دی گئی ہے۔ دیے اب یہ طالب علم کا کام ہے کہ اس Answer Sheet کو گانے اور کہانی سے بھرے یا صحیح جوابات سے۔ امتحان گاہ میں کوئی ہگز نہیں روکے گا۔ امتحان ہال سے باہر آتے وقت طالب علم کو خود معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے کیا کچھ لکھا ہے۔

کچھ اسی طرح اس دنیا میں لوگوں کو ایک روح اور نفس دے کر روانہ کیا گیا ہے۔ نفس ایک کورے کاغذ کے مانند ہے۔ اب یہ انسان کی اپنی ذمے داری ہے کہ اسے گناہوں، نافرمانیوں اور فحش و فجور کے ذریعے کالا کرے یا طاعت رب کے ذریعے اپنی روح کو مکمل روح یا یوں کہیے کہ اپنے نفس کو نفس مطمئنہ بنائے۔ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے:

”اگر وہ تو تھارے جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے، جو درست ہو تو سارا جسم

درست ہو جائے اور اگر اس میں لگا دیا جائے تو سارے جسم میں لگا دیا جائے۔ آگاہ

روح وہ دل ہے۔“

ہم اس سلسلے کی پوری گفتگو میں سنگینڈ فرائینڈ کے خیالات کا جائزہ لیتے آرہے ہیں۔ کیوں کہ جدید مغرب کے ذہن سازوں میں وہ ایک اہم ترین فرد تھا۔ نفس اس کا اصل موضوع تھا۔ نفس انسانی کو اس نے بھی تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول نفس امارہ ہے، جو ہر آن لذت کا خواہاں ہے اور مطالبات کی فہرست پیش کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ آزاد ہوتا تو اسے تمام بنیادی مطالبات فوری طور پر حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ جب کہ رحم، روادار، قوت نہیں، زندگی کی حقیقتیں

ہوگا کہ یہ یہی تفتیت کے لیے اثر آفریں ہیں۔ مثلاً نماز کو لیں۔ نماز پاکی و صفائی کا عادی بناتی ہے۔ خدا کے حضور لا کھڑا کرتی ہے۔ خدا کا استحضار پیدا کرتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ وَالْحُجُوت: ۴۵)

”بے شک نماز ہے جیانیوں اور برائیوں سے روکتی ہے۔“

پھر روزے پر نگاہ ڈالیں تو نفس کی کشتی کو ختم کرنے اور اسے زیر کرنے میں روزے سے بہتر عبادت اور کوئی نہیں۔ اس سلسلے میں مولانا مودودیؒ نے ”اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر“ میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

حج کے سلسلے میں قرآن کی ایک بنیادی ہدایت یہ ہے:

”فَلَا رَفْعَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۚ (البقرہ: ۱۹۷)

”خیر وادارہ نہ چاہیے کہ حج کے دوران میں اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بد عملی اور کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو۔“

جنسی برائی، فسوق اور جھگڑے نفس امارہ کے شائخسانے ہیں۔ انھیں کنٹرول کرنے کے لیے حج ایک ٹریننگ کا موقع ہے۔ اپنے نفس پر نگاہ رکھنے کی مشق احرام سے شروع ہو جاتی ہے۔ حالت احرام میں خود اپنی بیوی سے شہوت کی بات کرنا، جانوروں کا شکار کرنا حتیٰ کہ جوں تک کا مارنا، بال ٹکانا سب ممنوع امر ہیں۔ احرام پہننے کے ساتھ آدمی ان باتوں کے سلسلے میں زیادہ چوکنا ہو جاتا ہے۔ پلک و فیرہ کے بال کبھی تکلیف بھی دے رہے ہوں تو انھیں بھی نکالنے سے گریز کرنا ہے۔ اس طرح جب ذہن پر کنٹرول پیدا ہوتا ہے تو خواہشوں، جذبات، بیجانات پر بھی کنٹرول نصیب ہوتا۔

غرض اسلامی عبادات نفس امارہ کو کم زور کرنے اور نفس لواحد کو مضبوط کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

پھر فوراً ہی وہ اطمینان حرص و طمع میں بدل جاتا ہے اور انسان کو تکلیف دینا شروع کر دیتا ہے۔ (۳) اطمینان بقدر ضرورت ہوتا ہے۔ کسی غریب کو درودنی ملنے پر اطمینان ہے اور کسی امیر کو ستیان اسٹار ہوٹل کے کھانوں سے سرسرتی ملتی ہے۔ خوبصورت موتیوں کا ہار کمری کتے کے سامنے پھینکیں تو وہ خوش نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس ایک ہڈی پھینکے پر وہ خوش ہو جاتا ہے۔ جب کہ انسان کے سامنے ہڈی پھینکیں تو ناراض ہوگا اور موتیوں کا ہار پھینکیں تو وہ خوش ہو جائے گا۔ جس چیز سے محبت ضرورت ہوگی اس سے وہ مطمئن ہو جائے گا۔ مثلاً کھانا کھانے کی حاجت تھی، ضرورت مند نے کھانا تو مزید کھانے کی حاجت باقی نہیں رہ جاتی۔ لہذا نفس کا اطمینان عارضی رہا۔ جب تک حیثیت بھرا ہے مزید کی حاجت نہیں ہوتی۔

پرستانی ڈیو پینٹ کی ایک کلاس میں ایک غیر مسلم نے ایک مثال سنائی، اس کے جزاء میں اٹھنے کی یہ جائے نہیں اس سے سبق لینا چاہیے۔ ”کسی ہستی کے کنارے ایک ندی تھی۔ اسی ندی میں ہستی کے لوگ نہا رہے اور کپڑے دھونے کے لیے روزانہ جاتے تھے۔ ہستی میں غربت زیادہ تھی۔ ایک دن صبح فرشتہ نمودار ہوا اور اس نے کہا کہ آج لوگ اپنے گھر سے ایک لونا پانی لائیں اور ندی میں جس چیز کی نیت کر کے انڈ ملیں گے۔ شام تک وہ چیز انھیں مل جائے گی۔ مگر شرط یہ کہ اپنی نیت دوسروں کو نہ بتائیں۔ غرض لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ کسی نے ایک جھوپڑی کی تھنا کی، کسی نے ایک گائے کا مطالبہ کیا۔ کسی کو ایک سائیکل کی ضرورت درپیش تھی، کوئی ایک گائے مل باجائے کا محتاج تھا۔ شام تک بے گھر کو جھوپڑی مل گئی، ذریعہ آمدنی کے لیے کسی کو ایک گائے مل گئی، پیدل کھیتی تک جانے والے کو ایک سائیکل نصیب ہو گئی۔ کسی کو کوڑتا پا جا بسہر آ گیا۔ اس شام وہ خوش اور مطمئن تھے کہ ان کی مرادیں برآئیں۔ مگر اگلی صبح ان کی خوشی ختم ہو گئی۔ جب دیکھا کہ ان کا پڑوسی بے گھر تھا، اس کو اچھی چوٹی ملی گئی، فلاں فلاں کوڑی کا نہیں ہاتھ آگئیں، کچنی کے ساتھ کام کرنے والے کو اسکوائر مل گیا اور ایک بچے کو سوٹ اور کوٹ دستیاب ہو گیا ہے۔ حسد کی آگ نے اطمینان کو جلاد کر رکھ کر دیا۔ اگلے دن پھر فرشتہ نمودار ہوا اور حسد کی آگ میں جلنے والوں کو جو کچھ دیا وہ بھی واپس لے لیا۔ اب وہ کلف افسوس ملتے رہ گئے۔“ اس سے پتا چلا کہ مادی امور میں اطمینان نہیں ہے۔

(۴) مادی امور میں جو اطمینان ملتا ہے وہ اسی وقت تک ہوتا ہے جب تک کہ وہ چیز

ساتھ رہے۔ وہ چیز جب چھن جائے تو اطمینان کی یہ جائے تکلیف شروع ہو جاتی ہے۔ تکلیف

اور کسی بھی قسم کے اخلاقیات نفس امارہ کی خواہشوں کی تشکیل میں مانع ہوتے ہیں۔ Super ego اپنے کام کے لحاظ سے ضمیر سے قریب ترین ہے۔ والدین سے حاصل شدہ مبالغہ ہی اس کے پاس ہوتے ہیں۔ Ego فرائڈ کا نفس مطمئنہ ہے۔ مگر اسلامی تصور اور فرائڈ کے تصور میں ایک جوہری فرق ہے۔ فرائڈ کے نزدیک Ego حقیقت پسندی کے راستے سے نفس امارہ کا غلام ہے۔ نفس امارہ کی لذت طلبی اور چٹخاروں کی تشکیل صرف حقیقت پسندی کے راستے سے پانچہ تکمیل کو پہنچاتا ہے۔ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ انسانی سماج میں اس خواہش کو پورا کرنے کا ممکن ذریعہ کیا ہے؟ نفس امارہ کے مطالبوں اور سماج کی بندشوں کے درمیان ایک تناؤ کی کیفیت ہوتی ہے۔ Ego مکہ ذرائع سے جب نفس کی خواہشیں پوری کر دیتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اس طرح نفس مطمئنہ ہے۔

انسان اپنے اندر کئی خصالتیں بھی رکھتا ہے اور ملکوتی اوصاف بھی۔ ہم نے نفس امارہ کے تحت لکھا ہے کہ انسان کی تخلیق دو بنیادی عناصر سے ہوئی ہے۔ ایک مثلی دوسرے روح۔ مثلی کی ضروریات مثلی ہی میں رکھ دی گئی ہیں۔ جب کہ روحانی ضروریات کا سامان وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے آسمان سے کرتا رہا ہے۔ فرائڈ کے نزدیک انسان بحیثیت کی سطح پر آخر کر مطمئن ہوتا ہے۔ فرائڈ کا نفس مطمئنہ انسان کو حیوان کی سطح پر لاتا ہے۔ جب کہ اسلام کا نفس مطمئنہ انسان کو فرشتوں سے آگے لے جاتا ہے۔ مادی و حیوانی یا روحانی امور میں نفس کو نفس مطمئنہ کہنا چاہیے۔

اس سوال کا جواب حسب ذیل ہے۔
نفس مطمئنہ کس امر میں؟

(۱) انسان بعض امور میں نباتات و حیوانات سے مشترک ہے مگر بعض میں ممتاز ہے۔

درخت اور جانور کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے اور قدرت نے اس کے حصول اور اخذ کے طریقے ان کے لیے متعین فرمائے ہیں۔ اس طرح انسان کو بھی بھوک پیاس لگتی ہے۔ اس کے لیے وہ غذا تلاش کرتا ہے۔ غذا جب میسر آ جاتا ہے اور کھالے تو اسے سکون و راحت دراصل تکلیف و لذت کے دور اطمینان کو نفس مطمئنہ نہیں کہا جاتا۔ اس لیے کہ یہ اطمینان و راحت دراصل تکلیف و لذت کے دور ہونے پر محسوس ہوتا ہے۔ (۲) پھر ایک اور پہلو سے دیکھیں کہ اطمینان مادی امور میں نہیں ہے۔ مادی ضرورتیں ہر ایک کی مختلف ہیں۔ ان کی تکمیل پر ایک گونہ سکون اور اطمینان ضرورت ملتا ہے۔ مگر

اطمینان سے شدید تر ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اطمینان عارضی تھا جب کہ تکلیف چھن جانے کی وجہ مستقل رہ جاتی ہے۔ اطمینان قطره کا تھا، تکلیف سمندر کی طرح مہیب و موجانی ہے۔ پھر اس قطره کے پانی پر کوئی اترا کئے کیوں؟

سمندر جو بالا بحث سے جو بات سامنے آئی وہ یہ کہ مادی امور کا اطمینان حقیقی معنوں میں اطمینان نہیں شاکر کیا جائے گا۔ اس لیے کہ مادی امور کی فرحت و مسرت انسانی وجود کے اعلیٰ مقصد سے میل نہیں کھاتی۔ انسان کا امتیاز و شرف کھانے پینے اور ہنسنے میں نہیں ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ طاقت میں انسان سے شیر ذاتی طور پر آگے ہے۔ شہوت میں بھیڑ یا انسان سے زیادہ دیر پا ہے۔ اس طرح دوزخ نے میں ہرن تیز تر ہے۔ جلد کی مضبوطی میں گینڈا سخت تر ہے۔ حسن میں مور انسان سے خوب صورت ہے۔ معلوم ہوا کہ جو چیز انسان کا امتیاز و شرف نہ ہو اس کا حصول حقیقی کام پائی نہیں ہے لہذا ان کے حصول پر نفس مطمئنہ کہلانے کے لائق نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کھانے پینے، پہننے اور ہنسنے اور بہت کرنے وغیرہ سے انسانی سعادت و کمال کا حصول نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو زیادہ کھانے پینے والے زیادہ کمال اور سعادت مند انسان سمجھے جائیں گے۔ انسان کو بریائی کھانے پر جو مسرت و خوشی ملتی ہے، ویسی خوشی کپڑے کو برکھا کر ملتی ہے۔ تو پھر انسان و جانور میں فرق کس چیز کا؟ بلاشبہ انسان جانور سے بلند تر ہے۔ اس جگہ حضرت علیؑ ملیہ اسلام کا قول اس امتیاز کو ظاہر کرتا ہے۔

"For what shall it profit a man if he shall join the whole world and lose his own soul."

انسانی وجود کا امتیاز یہ ہے کہ اندرون میں موجود اذالی اور فطری کشش جو بھی اور ملکوتی قوتوں کے درمیان ہوتی رہتی ہے، ان میں اپنی کوشش اور سعی کے ساتھ انسان اپنی روحانی ترقی کی طرف گامزن ہو، اس کے بعد نفس مطمئنہ کا لقب پاتا ہے۔

انسانی امتیازات کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جتہ اللہ الباقہ میں ذکر فرمایا ہے کہ انسان حیوانات سے دو صفات کی وجہ سے ممتاز ہوتا ہے۔ قوت عقلیہ کی کثرت اور قوت عملیہ کی برتری۔

"قوت عقلیہ اللہ نے حیوان کو بھی دی ہے۔ تمام جانور اپنا نفع و نقصان سمجھتے ہیں۔ جھینس چرتے چرتے کسی گھاس کو چھوڑ دیتی ہے اس لیے کہ وہ جانتی ہے کہ وہ گھاس اس کے

کھانے کی نہیں ہے۔ جب کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے قوت عقلیہ وافر مقدار میں بخشی ہے اور یہی اس کا امتیاز ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیوانات سے کچھ زائد قوت عمل نہیں دی۔ ہاتھی، گھوڑے، بکرا، انسان سے زائد کام کرتے ہیں۔ بلکہ انسان کا امتیاز قوت عمل کی برتری اور فوقیت ہے۔ شاہ صاحبؒ نے قوت عملیہ کے دو پہلو بیان کئے ہیں۔

(۱) انسان اور جانوروں کے اعمال میں فرق یہ ہے کہ حیوانات اپنے کیے ہوئے اعمال کے اثرات کو قبول نہیں کرتے۔ نہ ان کے نفوس کے اعمال کی اسپرٹ سے تنگیں ہوتے ہیں۔ جب کہ انسان اپنے کیے ہوئے اعمال کا عرق نچوڑ کر پی لیتا ہے۔ اس کا دل اس کے اعمال سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے جانور ایک ہی غلطی بار بار کرتا ہے اور انسان ایک بار غلطی کرنے کے بعد مستحاصل جاتا ہے۔ مثلاً جھینس بھڑک جاتی ہے اور اپنی جولاٹی میں کسی کو زخمی کر دیتی ہے۔ یا مادیاتی ہے تو اس کے دل میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ یہی غلطی دوبارہ کر سکتی ہے اور کر تی بھی رہتی ہے۔ مگر انسان سے اگر یہ غلطی ہو جائے تو وہ پشیمان ہوتا ہے اور عہد کرتا ہے وہ آئندہ یہی غلطی نہیں کرے گا۔ یہی حالی اعمال صالحہ کا ہے۔ جانور کو بھی عملی صالح سے خوشی نہیں ہوتی۔ کیوں کہ اس کے دل نے اس عمل کا اثر قبول نہیں کیا۔ ایک شیر نے ایک صحابی کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر قافلہ تک پہنچایا تھا۔ مگر وہ اس کا رٹا نہ کی اہمیت سے ناواقف تھا۔ اگر یہی کارنامہ کوئی انسان انجام دیتا تو چھو لے نہ سکتا۔ بلکہ وہ کارنامہ اس کی سوانح کا جز بن جاتا۔

(۲) انسان اپنی قوت عملیہ سے جو عبادتیں اور ریاضتیں کرتا ہے، اللہ کی محبت اور اللہ پر اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے جب حیوانات کے اعمال سے اس قسم کے اثرات پیدا نہیں ہوتے۔ یہ انسان کی قوت عمل کی برتری ہے۔

نفس مطمئنہ: ملکوتیت سے مشابہ

جیسا کہ نفس امارہ کے تحت امام غزالیؒ کے حوالے سے لکھا جا چکا ہے کہ ہر انسان کے اندر ایک مود، ایک شیطان، ایک کھلا اور ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ ان قوتوں کے درمیان کشمکش ہوتی رہتی ہے۔ اسلام کا ہدف یہی ہے کہ تربیت کے ذریعہ انسان اپنی بکری قوتوں کو زیر کر لے اور ملکوتیت کو اپنے اوپر غالب کر لے۔ یہی وہ مقام جہاں پہنچ کر انسان دم توڑتا ہے، تو فرشتے آکر پکارتے ہیں:

نفس مطمئنہ: چند عملی مظاہر

۱۔ آگ کا لالو

کاروبار پھولوں کی بیج پر چلنا نہیں بلکہ آگ کے لالو سے گزرنا ہے۔ تمام انبیاء اس زہرہ گداز راہ سے گزرے۔ مگر ابراہیم علیہ السلام اللہ اس میدان کے خصوصی شہسوار تھے۔ بندہ ضعیف کو شرک و بہت پرستی سے نفرت ہوتی ہے۔ لہذا آپ نے غرہ حق بلند کیا۔ مگر پڑتوں، پردہ توں اور عوام کے دل میں حمیت جا بیا اور عصیت جی ہوتی تھی۔ آپ کی آواز ہرے کانوں میں گئی جب آپ نے طے کیا کہ دہل سے نہ سمجھیں تو مشاہدے سے سمجھا دیں گا۔ لہذا ایک رات بُت خانے میں گئے اور بتوں کو جو تیاں رسید کیں۔ مہمدم مورتیوں کا رات کا منظر جذبات کو برا بھانت کرنے کے لیے کافی تھا۔ بڑا بہت اپنی بے بسی کا اعلان کر رہا تھا۔ عقل و ہوش کی بہرہ جائے ابراہیم علیہ السلام نے حواس کو خطاب کیا مگر جاہل اندھے جوش میں آ گئے۔ شکست خوردگی کے جذبات کی خجالت نے انھیں آخری قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ پہلے تو وہ درد کر دینے لگے پھر کہنے لگے:

قَالُوا خَبَرْتُ قُوَّةً وَأَنْصُرُوا إِلَهُكُمْ أَنْ كُنْتُمْ فَعِلْتُمْ ۝ (انبیاء: ۶۸)

”کہنے لگے کہ اے خدا اور اے خداؤں کی مدد کرو، مگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔“

قَالُوا ابْنُوا آلَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْخِجْمِ ۝ (صافات: ۹۷)

”انھوں نے آپس میں کہا کہ اس کے لیے ایک لالو تیار کر دو اور اسے دھکی ہوئی آگ کے ڈھیر میں پھینک دو۔“

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ اِزْجِعِي إِلَى رَبِّكَ وَاصْبِرِي مَرَضِيَّةً ۝
فَاذْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝ (الفجر: ۸۹-۹۲)
”اےطمینان والی روح تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش۔ پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میر جنت میں چلی جا۔“

غور کریں تو پتا چلے گا کہ عبادتوں کے ذریعے کی طرح نفس مطمئنہ میں بدلنے کا پروگرام اسلام نے نہیں دیا ہے۔ مثلاً روزے کو لے لیں۔ انسان اپنے اندر کے سوء کئے اور شیطان کو پا بہ زنجیر کر دیتا ہے۔ جب روزے میں اپنی بیوی سے شہوت ممنوع قرار پایا تو سوور کو کنٹرول میں لایا گیا۔ لڑائی جھگڑا ممنوع قرار پایا تو اپنے اندر کے کتے کو ہم نے زیر کر لیا۔ چھپ کر بھی کھانے پینے سے پرہیز کرنے سے شیطان کے داد و بیج کا کارہ ہو جاتے ہیں اور انسان یک گوند فرشتے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ چوں کہ فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیوتے رکھتے ہیں اور نہ شیطان کی طرح نافرمانی کرتے ہیں۔ تینوں یکساں اوصاف سے وہ مبرا ہوتے ہیں۔ شدت و غضب ان کی سرشت میں ہے ہی نہیں۔ جب کہ انسان اپنی سعی و کوشش سے اپنی اپنی قوتوں کو زیر کرنا ہے اور اپنے نفس کو ملکوتیت لئے مشابہ بنا کر نفس مطمئنہ خود سے بناتا ہے۔

اسی طرح حج کی مثال لیں۔ قرآن کہتا ہے:

فَمَنْ قَرَضَ فِيهِمْ الْخَبْحَ فَلَا رَفْعَ وَلَا فُسْؤُقَ وَلَا جِدْمَالَ ۝
فِي الْخَبْحِ ۝ (البقرہ: ۱۹۷)

”حج کے مہینے معلوم و متعین ہیں۔ پس ان میں جو حج کرنا طے کر لے تو حج میں نہ تو خبیث باتیں ہو سکتی ہیں نہ فحش و فحور اور نہ لڑائی جھگڑے کی کوئی بات۔“

آپ اگر اس آیت کے کلکروں پر غور کریں گے تو پتا چلے گا کہ رفت سے منافعت سوور کو کنٹرول کرنا ہے۔ فسوق سے منافعت شیطان کو زیر کرنا ہے، اس لیے کہ فسوق عن امر ربہ ”اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی“ اس کی پہچان حاجی کو ہوتی۔ اور جدال کی منافعت اپنے اندر کے کتے کو پکڑ کر باندھنا ہوا۔ جب اندر کی ان یکساں قوتوں کو انسان کنٹرول کرے گا تو باقی صرف ایک قوت اندر رہ جاتی ہے، وہ ملکوتی قوت ہے۔ حج میں انسان جتنے اعمال بجالاتا ہے اس سے اس کی ملکوتیت قوی و مضبوط ہوتی ہے۔

اسی لیے پہلی مثال ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طمانیتِ نفس کی دی۔ قرآن نے دوسرے مقام پر کہا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱)
 ”درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔“

اب دوسری مثال اطمینانِ قلب کی ملاحظہ ہو:

مکہ اپنی وسعتوں کے باوجود صحابہ کرام کے لیے ٹھک ہو رہا ہے۔ دعوتِ اسلامی کو فتح و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی ہر سازش رچی گئی۔ آخر کار دارالندوہ میں قریش رسول ﷺ کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے جمع ہو گئے۔ اس اجلاس میں شیطان بھی آسمو جود ہوا۔ مختلف تجاویز رد ہوئیں۔ آخر میں شیطان کے خاص چیلے ابو جہل نے رائے دی کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک شریف النسب جوان مرد لے لیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک کلو اور بھی دے دیں۔ یہ سب کلو اوروں سے اسی طرح ایک ساتھ ماریں۔ اس طرح اسے قتل کر دیں۔ پھر ہم اس سے پتھیں پائیں گے۔ کیوں کہ اس طرح اس کا خون تمام قبیلوں میں بٹ جائے گا۔

ایسی صورت میں بنی مہربانہ قوم کے تمام افراد سے جنگ نہ کر سکیں گے۔ ہم سے خوں بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم انھیں خوں بہا دے دیں گے۔ شیطان نے بھی اسی رائے کی توثیق کی۔ شرکا، اجلاس نے اس قرارداد کو منظور کر لیا۔ اس منصوبے کی خبر حضرت جبرائیل نے نبی ﷺ کو پہنچا دی۔ جنھوں نے اپنے کو نفسِ مطمئنہ کے مقام پر پہنچایا ہو وہ سخت ترین مصیبت کے وقت میں تعلق باللہ و رجوع الی اللہ کی وجہ سے اطمینانِ قلب کی عظیم دولت سے بالالامال ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ڈرے نہ گھبرائے بلکہ اپنے ہی گھر میں رہے۔ حضرت علیؓ کو لوگوں کی ممانعتوں کی نشان دہی کرادی کہ کل فلاں فلاں کو فلاں چیزیں پہنچادی جائیں۔ پھر حضرت علیؓ سے فرمایا: ”تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ، میری یہ خبر چاؤ اور ڈھلواؤ اس چادر میں سو جاؤ۔ ان کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ چیز تم تک نہ پہنچ سکے گی۔“

اس کے بعد رات کا دو تہائی حصہ گزر جانے کے بعد گھر سے نکلے۔ دونوں جانب

ایسا ہی ہوا۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ سب نے لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ بیمار عورتیں بھی نذر امانتی تھیں تو یہی کہہ کر انھیں شفا ہو جائے تو ابراہیمؑ کے لیے لکڑیاں لائیں گی۔ زمین میں ایک بہت بڑا اور بہت گہرا گڑھا کھود کر اسے لکڑیوں سے پُر کر دیا اور اسے آگ لگا دی۔ روئے زمین پر کبھی اتنی بڑی آگ دیکھی نہیں گئی۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ تب ایک پیچیدگی تیار کی گئی اس میں بٹھا کر حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینک دیا گیا۔ ابراہیمؑ زور نہ گھبرائے۔ سکون و اطمینان کو باقی رکھا۔ حسنی اللہ و نعمتہ اللہ کیلئے پڑھا۔ بظاہر غمزدہ نہ آپ کو آگ کے حوالے کیا۔ لیکن دراصل آپ نے اپنے آپ کو خدا کے حوالے کیا تھا، تو خدا کا حکم ہوا:

فَلَمَّا يَبْتَأْ كُوفِي بُرْذًا وَسَلَّمَا عَلَيَّ اِبْرَاهِيمُ (الانجیاء: ۲۶)

”ہم نے فرمادیا۔ آگ اتو ٹھنڈی پڑ جاؤ اور ابراہیمؑ کے لیے سلامتی اور آرام کی چیز بن جا۔“

”مردی ہے کہ آپ اپنی میں چالیس یا پچاس دن رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس زمانے میں جو راحت و سرور حاصل تھا، وہ یہاں اس سے نکلنے کے بعد حاصل نہ ہوا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ میری ساری زندگی اسی میں گزرتی۔“

خدا کے آگے مکمل سیرگی اور حوالگی کے نتیجے میں جو اطمینانِ قلب ملتا ہے اس کی ایک تاریخی مثال حضرت ابراہیمؑ کی ہم نے پیش کی۔ آگ میں ڈالے جاتے وقت نہ آپ گھبرائے نہ پس و پیش یا دوا دیا کیا۔ نہ روئے چلائے بلکہ کامل حوالگی کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا۔ یہ بھی ممکن ہے جب کسی کا نفسِ مطمئنہ بن جائے۔

۳۔ تلواری کی چھواؤں

قرآن نے ایک جگہ کہا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي اِبْرَاهِيمَ وَالْزَيْنَبِ (التحہ: ۴)

”تم لوگوں کے لیے ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں میں اچھا نمونہ ہے۔“

قریش کے لوگوں کو تلو اور سونے کھڑے تھے۔ ان کے سروں پر خاک ڈالنے اور سورہہ بقرہ کی ابتدا کی آیتیں پڑھتے ہوئے نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان نو جوانوں پر انگھٹھ طاری کر دی وہ آپ کو دیکھ نہ سکے۔ مگر آپ دیوار پھاڑ کر یا پیچھے کے دروازے سے نہیں بلکہ اپنے گھر کے سامنے کے دروازے سے نکلے۔

۳۔ تختہ دار پر

مکہ میں ایک مال دار غورت سلافہ بنت سعد تھی۔ اس کے دو بیٹے جنگ بدر میں عاصم بن ثابتؓ کے ہاتھوں مارے گئے۔ اس نے مکہ میں اعلان کیا کہ جو عاصمؓ کا سر کاٹ کر لائے گا، اسے سو رخ اونسہ انعام دوں گی اور یہ بھی قسم کھا رکھی تھی کہ عاصمؓ کے کا سرہر میں جب تک شراب نہ پیوں گی جہنم سے نہ بٹھوں گی۔ ایک ناخوار سفیان بن خالد اٹھا اور کچھ نو جوانوں کو مدد دیدیجھا۔ وہ نو جوان مدینے گئے اور ڈھونگ رچایا کہ ہمارا قبیلہ اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔ نبی ﷺ سے گزارش ہے کہ کچھ سفینہ بھجیں اور عاصمؓ کو بھیجیے کی درخواست کی۔ نبی ﷺ نے عاصم کے ساتھ اور چھ نوگوں کا ایک وفد بھیجا۔ فتح راستے میں بومہدی کی اور تلواروں سے صحابہ کرام پر حملہ کیا۔ چار صحابہ راستہ ہی میں شہید ہو گئے۔ تین مکہ کے بازار میں لاکر فروخت کیے گئے۔ ان میں سے ایک حضرت ضعیب بن عدیؓ تھے۔ جنگ بدر میں حضرت ضعیبؓ کے ہاتھوں عامر بن نوفل قتل ہوا تھا اس لیے ان کے اعزہ نے انھیں خرید لیا۔ چونکہ وہ ذی قعدہ کا مہینہ تھا اس لیے اشہر حرم گزرنے تک انھیں قتل نہیں کیا گیا بلکہ انھیں طوق و سلاسل میں بکڑ کر ایک کوٹھری میں بچوں کو دیا گیا۔ زینب بنت ہارث ان کی گمرانی پر مامور تھی اس کا بیان ہے:

”خدا کی قسم میں نے ضعیب بن عدیؓ سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ وہ رات کے پچھلے پہر ایسی پرسوز آواز میں قرآن پڑھا کرتے تھے کہ قریش کی عورتیں اسے سن کر بے اختیار رو دیا کرتی تھیں۔“

جب حرمت کے مہینے گزر گئے تو کم بخت شیطانوں نے عاصمؓ کے مقام پر سیدہ بجایا۔ (عاصمؓ وہ مقام ہے، جو حدود حرم سے باہر ہے، جہاں آج مسجد عائشہ موجود ہے۔ حاجی حضرات مکہ سے باہر اسی مقام پر احرام باندھ کر آتے ہیں) حضرت ضعیبؓ کو پا بوجلاں وہاں لایا گیا۔ آپ

سے پوچھا گیا کہ کوئی آخری خواہش ہے؟ آپ نے کہا ”دور کعبہ نماز پڑھنے کی مہلت دو۔“ نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنے کے بعد سولی کا پھندا آپ کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ میں اس وقت سر داران قریش نے پکار کر اور قسم دے کر پوچھا کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ محمد ﷺ تمھاری جگہ سولی پر ہوں اور تم اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے رہو؟

حضرت ضعیبؓ نے فرمایا:

”خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد ﷺ کے پاتوں میں کاٹنا بھی چھپے اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھوں۔“ پھر آپؐ نے کچھ اشعار پڑھے جس کا مطلب یہ ہے:

”لوگ! مجھ سے کہتے ہیں کہ اسلام چھوڑ دینے سے تیری جان بچ سکتی ہے، لیکن دین حق چھوڑنے سے مر جانا بہتر ہے۔

میری آنکھیں نم ناک ہیں لیکن میں میر کروں گا اور دشمن کے سامنے نہ جھکوں گا۔ کیوں کہ میں اصل حق سے شاد کام ہونے والا ہوں۔

موت کا مجھے ڈر نہیں ہے، ذر ہے تو جنم کی شکل باخون چوسنے والی آگ کا

اس کے بعد ظالموں نے سولی کا رستا کھینچ دیا اور شعی الثلب مشرکوں نے اس مرد فدا سرشت کے جسم پر نیزوں سے کچرے لگا کر شروع کر دیے۔

یہ داستان عزیمت بتاتی ہے کہ نفس مطمئنہ کے زمرے کے لوگ اپنی جانوں کو تقبلی پر لے کر چلتے ہیں۔ جس وقت بھی رب تعالیٰ کا بلاؤ آجائے۔ اپنی جان نذر کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے کہتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمطمِئِنَّةُ ۖ اِزْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۖ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۖ وَادْخُلِي جَنَّاتٍ ۖ (الحجر: ۲۷-۳۰)

”اے نفس مطمئنہ! چل، اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اپنے انجام تک سے خوش اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے نیک بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔“

مطلوعے پر غائب کیا۔ وہ سال بھر مطالعے کے وسیع سمندر میں ڈوب رہا ہے۔ اس مطالعے سے ان پر فلسفے کی ناگہمی اور عقلیات کی بے باکی عیاں ہوگئی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ فلسفہ اپنے دامن میں قلب و دماغ کی تشفی کی کوئی سامان نہیں رکھتا۔ اسی کی بنیاد پر قائم ہونے والی افکار و نظریات کی عمارت، سطح بنیوں کو تباہ فہموں کو چاہے کتنی ہی خوش نما اور پختہ و مستحکم نظر آئے فی الحقیقت کھوکھلی ہے۔ حقیقی علم وہ ہے، جو کتاب و سنت کے صاف و شفاف چشمے سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر احسان و تصوف کے کوچے میں پہنچے، ابوالعلا سبکی، حارث محاسبی، جنید شمسلی اور بایزید بطلحی وغیرہ صوفیائے ملفوظات اور تصانیف کا مطالعہ کیا اور آخر کار جاہ و اقبال، علم و تعلیم اور عزت و شہرت کی زندگی کو الٹ مار کر بغداد سے نکل کھڑے ہوئے۔ گیارہ برس تک دمشق، بیت المقدس، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور اپنے وطن میں مجاہدہ اور ریاضی کی زندگی گزاری اور شک و ریب اور بے اطمینانی کے وہ تمام کاغذ نگل گئے، جن سے ان کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی تھی اور سکون قلب میسر آیا۔ دین خالص پر نئے سرے سے شعور کی ایمان لائے۔“

۵۔ سزاے موت پر

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمتہ اللہ علیہ ماضی قریب کے عظیم وجود گزیرے ہیں۔ وہ عزیمت و استقامت کے وہ عالم تھے۔ ان کی زندگی کا سخت ترین لمحہ وہ تھا جب انھیں سزاے موت سنائی گئی۔ مگر وہ نفس مطمئن کی اعلیٰ ترین سطح پر فائز انسان تھے۔ امریکی ۵۳ بعد غروب آفتاب کا ذکر ہے کہ سنٹرل جیل لاہور کے محکمے میں چودھری محمد اکبر سیالکوٹ، ملک نصر اللہ خاں عزیز، سیدتی علی، میاں طفیل محمد اور بعض دوسرے اکابر جماعت مولانا مودودیؒ کی اقتداء میں نماز مغرب ادا کر رہے تھے کہ یہ دفعتاً دروازہ کھٹ سے کھلا اور چند رہنما افسر اور اداوار دھچکن میں داخل ہوئے اور جہاں سب نماز پڑھ رہے تھے اس کے قریب آ کر رک گئے۔ دعا کے بعد میاں طفیل محمد صاحب نے ان سے کہا ہم سنٹروں سے فارغ ہو لیں؟ انھوں نے جواب دیا ہاں ہاں بالکل آپ لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں۔ نماز کے بعد میاں صاحب ان کی طرف متوجہ ہوئے تو ایک فوجی افسر جس کے ہاتھ میں ایک فائل تھا، آگے بڑھ کر پوچھا کہ ملک نصر اللہ خاں عزیز کون ہے؟ ملک صاحب نے جواب دیا کہ میں ہوں، اس افسر نے انھیں علما کی گرفتاریوں کے متعلق مولانا مودودیؒ کا بیان

۶۔ عقل سے قلب کی طرف

ہمارے حلقے میں بعض نوجوانوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بے مقصد گفتگو چھیڑتے ہیں۔ کوئی نظام خلافت کی بات کرتا ہے، تو کوئی تحریک کو مشورہ دیتا ہے کہ ۲۳ رسال میں وہ نظام قائم کر کے دکھائیں، کوئی جہاد کا پرزور درویش ہے تو کوئی دعوت کے اسلوب پر یہ سائل مشنریوں سے متاثر، کوئی اداروں کا مخالف تو کوئی علمی لٹریچر کی فراہمی پر دلائل میں دور کی کوڑیاں لاتا ہے۔ یہ سب اپنے Intellectual ہونے کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔ گویا وہ امیر میں مایوسی کی کرن اترنے کی مجھے دعوت دے رہا تھا۔ ایک دن میں نے اس سے کہا کہ دوست تم واقعی ذہین ہو۔ مگر تمہارے احوال زندگی مجھے بتا رہے ہیں کہ تمہارا قلب ویران ہے۔ تمہارے دل کی دنیا بڑی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ سچ حق مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں تمہاری سرگرمیوں پر اطمینان ہے۔ طمانیت قلب کی ٹھنڈک کیا تم اپنے اندرون میں محسوس کرتے ہو؟ اس نے اپنا ہاتھ باقی رکھنے کے لیے صرف اتنا کہا Yes, Somtimes۔ مگر بعد میں اس کے دوستوں نے مجھے بتایا کہ ہم اس کی طلب پوری نہیں کر رہے تھے۔ حالانکہ ہم اس سے عاجز نہیں تھے۔ کبھی یہ ہمارا بھی مہمان رہا ہے بہر حال اس نے ان سوالات کو تنبیہ کی سے لیا ہے۔ اور اس عقل کی برتری سے قلب کی رقت کی طرف وہ بالکل نظر آ رہا ہے۔ کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ امین صاحب پر یہ سب احوال کب سے منکشف ہونے لگے؟ حالانکہ کوئی چیز محسوسات کے دائرے کی نہیں بلکہ جنوری لینگ اور امام غزالیؒ کی داستان ہم نے پڑھ رکھی تھی۔ خود ہمارا بھی تجربہ ہے کہ عقل و فکر کی چٹنگی سے زیادہ، اثابت، حلم و رقت، نفسی نفس کو نفس مطمئن بناتے ہیں۔ بہ طور دلیل امام غزالیؒ کی داستان یہاں نقل کرتا ہوں۔

”امام غزالیؒ نے اپنے عہد کی اعلیٰ ترین تعلیم حاصل کی تھی۔ عقلیات اور فلسفہ ان کی زندگی کا اداوار ہونا چھوٹا تھا۔ شب و روز یہی بحر ظلمات کی غواصی کرتے تھے۔ لیکن بایں ہمہ یہ زندگی اپنے دامن میں اطمینان کا سامان نہیں رکھتی تھی۔ عقلی بحثوں اور استدلالی مسرکہ آرائیوں میں وہ خود شک و ریب کے کائناتوں کے شکار ہو گئے، جو گردش روز و شب کے ساتھ بڑھتے چلے گئے۔ بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس زندگی سے ان کا دل اچاٹ ہو گیا۔ اس چیز نے انھیں تحقیقی

مورخہ ۵ مارچ ۱۹۵۳ء روزنامہ ستیم میں چھاپنے کے الزام میں تین سال قید با مشقت کی سزا کا حکم سنایا۔ اس کے بعد اس فوجی افسر نے پوچھا سیدتی علی کون ہے؟ اتنی علی صاحب نے جواب دیا میں ہوں۔ انھیں اس افسر نے مولانا مودودی کے مرتب کردہ پمفلٹ ”قادیانی مسئلہ“ شائع کرنے کی پاداش میں نو سال کی قید سخت کی سزا کا حکم سنایا اس کے بعد یہ افسر مولانا مودودی کی طرف متوجہ ہوا اور ان کے چہرے میں آنکھیں گاڑتے ہوئے ان سے کہا آپ کو قادیانی مسئلے کا پمفلٹ لکھنے کے جرم میں موت کی سزا دی گئی ہے اور علماء کی گرفتاری پر بیان جاری کر کے جرم میں سات سال قید با مشقت کی سزا دی گئی ہے۔ یہ بھی کہا کہ مارشل لاء کے تحت سزائوں کے خلاف کوئی اپیل کا حق نہیں ہے۔ آپ چاہیں تو اپنی موت کی سزا کے خلاف سات دن کے اندر کماٹھ ران چیف سے رحم کی اپیل کر سکتے ہیں۔

یہ سنتے ہی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا چہرہ ہلا مبالغہ انگارے کے مانند تھما اٹھا اور آپ نے گرج دار واد باوقار لہجہ میں جواب دیا: ”مجھے کسی سے کوئی اپیل نہیں کرنی ہے۔ زندگی اور موت کے فیصلے زمین پر نہیں آسمان پر ہوتے ہیں۔ اگر وہاں میری موت کا فیصلہ ہو چکا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے موت سے نہیں بچا سکتی اور اگر میری موت کا فیصلہ نہیں ہوا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت میرا بال بھی پکا نہیں کر سکتی۔“

اس کے بعد جیل کے افسروں نے سزائافتہ ان تینوں حضرات سے کہا کہ آپ لوگ جلدی تیار ہو جائیں۔ ملک نصر اللہ خاں اور سیدتی علی سزائافتہ قیدیوں کی بارک میں جائیں گے اور مولانا مودودی پھانسی کے گھر میں۔

مولانا مودودی نے افسران جیل سے دریافت کیا کہ وہ اپنا بستر اور کتب وغیرہ ساتھ لے لیں، انھوں نے جواب دیا، بس ایک قرآن مجید چاہیں تو لے لیں اور کچھ نہ لیں۔ بستر، کپڑے آپ کو وہاں مل جائیں گے۔ چناں چہ مولانا نے پچھلے چلے کی سب سے بڑی بات پڑے کی ٹوٹی کی بہ جائے ترقی پتی اور ہم لوگوں سے گلے کی اس طرح دھاندلے کر کے گویا کوئی بات ہی نہیں۔ معمولات ایک احاطے سے دوسرے احاطہ کی طرف جارہے ہیں۔ دیوانی گھر سے نکلے اور جیل کے افسر نے سید مودودی کو قتل دینے کے لیے کہا کہ آپ گھبراہٹے نہیں لیکن مولانا نے جواب دیا۔

”مجھے کوئی فکر نہیں ہے، میں نے جس راہ میں قدم رکھا ہے، اس کے متعلق روز اول سے جانتا تھا کہ کیا کچھ پیش آ سکتا ہے۔ مجھے یہ تسلی ہے کہ جس کی دی ہوئی یہ جان ہے، اسی کی راہ میں قربان ہونے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔“ اور پھر اپنے باوقار انداز میں قدم اٹھاتے ہوئے اور غیر متحرک چہرے کے ساتھ منزل جاناں کی طرف بڑھے آخر بارک نمبر ۱۴ آگئی اور سید مودودی پھانسی کی کوٹھری میں داخل ہو گئے۔

شورش کشمیری نے ایک دفعہ لکھا: مولانا مودودی کا کیرئیر مثالی ہے انھوں نے موت کی سزا پر جس ایمان کا ثبوت ہم پہنچایا اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ ہر شخص اسے ثابت کے ساتھ موت کی کوٹھری میں داخل نہیں ہو سکتا۔

تھوڑی دیر بعد ایک وارڈ ر آیا اور وہ مولانا کی ٹوٹی ہوئی قمیص اور جوتا سب کپڑے واپس دے گیا اور اس نے بتایا کہ انھیں جیل کے قاعدے کے مطابق کھدکا کر تا اور ازار بند کے بغیر کھدکا پا جامہ اور پھانسی کے گھر کا فریٹ ٹاٹ کا بستر دیا گیا ہے۔ وہاں وہ اپنے کپڑے اور ازار بند والا پا جامہ کھدکھی نہیں کھتے۔ مولانا مودودی کے ان پارچہ جات کا آنا تھا کہ ان کو دیکھتے ہی امین احسن صاحب پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ ان پارچہ جات کو کبھی آنکھوں سے لگاتے اور کبھی سینے سے لگاتے اور کبھی سر پر رکھتے زار و قطار روتے ہوئے فرمایا ”مودودی کو میں بڑا آدمی سمجھتا تھا۔ لیکن مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ خدا کے ہاں اس کا اس قدر بلند مرتبہ ہے۔“

اگلے روز وارڈروں وغیرہ کی زبانی مولانا مودودی کی رات بھر کی کیفیت یہ معلوم ہوئی کہ وہ پھانسی کے گھر گئے۔ پھانسی کے حجرہوں والے کپڑے انھوں نے زیب تن کیے۔ کوٹھری کے جنگلے سے باہر رکھی ہوئی پانی کی گھڑیہ سے وضو کیا۔ عشاء کی نماز پڑھی اور زمین پر کچے ہوئے دوفٹ اور ساڑھے پانچ فٹ کے بستر پر پڑ کر ایسے سوئے کہ رات بھر ان کے خزانے کن کن کر پھر پھار جہرت میں ڈوبے رہے کہ یا اللہ یہ عجیب شخص ہے، جو پھانسی کا حکم پا کر ایسا مدوش ہوا ہے کہ گویا اس کے سارے گمراہ اور تر دودرو ہو گئے ہیں۔

جب سنٹرل جیل سے ملاقاتی لوٹے لگے تو مولانا مودودی نے اپنے بیٹے عرفان راق کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینی دیتے ہوئے وہ الفاظ کہے جو تین تین میں سنہری حروف میں لکھے

جائیں گے۔ فرمایا: بیٹا ذرا نہ گھبرانا، اگر میرے پروردگار نے مجھے بلانا منظور کر لیا ہے تو بندہ بہ خوشی اپنے رب سے جا ملے گا اور اگر اس کا ہی ابھی حکم نہیں تو پھر چاہے یہ اٹلے ٹک جائیں لیکن کچھ کو نہیں لٹکا سکتے۔“

تاریخ شاہد ہے کہ مولانا مودودیؒ نے تنبیہ دار کو بھی خوشی سے چم لیا تھا۔ پھر ان کے خون کے پیاسوں کے قدم ڈنگ گئے اور انھیں دردِ دوز بعد ۱۳ مئی ۱۹۵۳ کو سرائے موت کو عرقید میں تبدیل کرنا پڑا۔

نفس مطمئہ کے ضمن میں یہ پانچ داستانیں ہم نے یہ طور مثال پیش کیں۔ ان سے جو کلیے نکلتا ہے، وہ یہی ہے کہ انسان مجرور و تقویٰ کے موجود و داعیے کے درمیان کش مکش میں نفس کی سفلی تر غیبات کو زیر کر کے اپنے آپ کو سعی و کوشش سے ادب و اٹھانا، اس کی سعادت مندی ہے۔ نفس کے اس معرکے میں نفس کو نفس مطمئہ تک لے جانا زندگی کا ایک طویل سفر ہے، جن میں اوپر درج کیے گئے واقعات دراصل سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سفر میں ایک ایک مطمئہ کے سنگ میل پار کرتے رہنے سے زندگی کا آخری سانس جب ہم سے جدا ہو گا تو ہم نفس مطمئہ کے لقیب سے پکارے جانے کے اہل ہوں گے۔

نفس مطمئنہ کی طرف

نفس کا اطمینان اندرون کی ایک ایسی ٹھنڈک ہے، جسے محسوس کیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کی پیمائش کرنا ممکن نہیں۔ نفس کا اطمینان چہرے کے نور، عظمت و وقار، جمیدگی و شائستگی، توکل و اعتماد اور قرب الہی سے ظاہر ہوتا ہے۔ بعض نوجوان تو ایسے بھی ہیں، زندگی میں بحشت و مباحثہ کرنا جن کا دلیہ رہ ہے۔ رات کے ڈیڑھ دو بج جاتے ہیں مگر موضوعِ ختم نہیں ہوتا۔ کبھی ڈیڑھ کو لسی کی مذمت پر تو کبھی عورت کی امامت کا مسئلہ، کبھی نظامِ باطل سے تعاون کا مسئلہ تو کبھی مرد کی سزا پر علمی مباحثہ، ”کبھی جماعت کو کون امور پر توجہ دینا چاہیے“ کی طویل فہرست تو کبھی موجودہ تنظیمی نظام کی خرابیوں کا ردنا۔ الغرض انسانیت، امت، تحریک و تنظیم کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں، جس کے لیے ہمارے یہ نوجوان فکر مند نہ ہوں مگر خود ان کی زندگی کا حال پوچھیے تو ایک قسم کی بے کلی اور بے قراری ہے، جو چھپائے نہیں چھپتی۔ روح میں نہ سوز ہے نہ زبان میں کوئی تائثر۔ دل ایک دیران اجڑا دیا رہ ہے۔ بے رونق زندگی اور بے کشش شخصیت کا جنازہ وہ اپنے سر اٹھائے پھرتے ہیں۔ دل مضطرب و قلب دیران کا ایک نقشہ۔ جناب نعیم صدیقیؒ نے کچھ اس طرح کھینچا ہے۔

”کیا آپ کو صحیح انتخابِ اندازہ ہے کہ ہمارے دل کا کیا عالم ہے؟ اس میں کتنا کوڑا کرکٹ جمع ہے۔ کسی کیسی غلاظتوں کے ڈھیر جگہ جگہ لگے ہیں؟ مردوں کی ہڈیوں اور سرے ہوئے گوشت جیسی بساند بھری ہے۔ مکڑوں نے جانے لے تن رکھ رکھے ہیں۔ خوشخوار چکاڑوؤں کی پھر پھر اہست باطنی فضا میں

آپ علیہ السلام کا تعارف اس طرح فرمایا:

وَإِنَّ مِنْ شَيْعَتِهِ لَا يُرْهِمُهُمْ إِذْ جَاءَ رَبُّهُ يَقْلِبُ سُلَيْمًا

(الصف: ۸۳، ۸۴)

”اور ان ہی کے طریقے پر چلے والا ہر ایک تم تھا۔ جب وہ اپنے رب کے حضور قلب سلیم لے کر آیا۔“

قلب منیب

آخرت کی کام یابی ہمارا اصل مقصود ہے۔ وہاں ”فکر کی چٹنگی“ ضامنِ نجات نہیں ہے۔ بلکہ قلب کی اتاہت اور بندے کی اولادیت وہ عناصر ہوں گے، جس سے بندے کو خلود و جنت نصیب ہوگا۔ قرآن کہتا ہے:

وَأَرْسَلْنَا إِلَيْنَا الرُّسُلَ بِالْبَيِّنَاتِ هَذَا مَا نُوْعِدُوكَ لِكُلِّ
أَوَّابٍ حَفِيظٍ مَّنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ وَ جَاءَ بِقَلْبٍ
مُنِيبٍ إِذْ خُلُوْهُمَا بِسُلَيْمٍ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ (ن: ۳۱-۳۲)

”اور جنت متعین کے قریب لے آئی جائے گی، کچھ بھی دور نہ ہوگی۔ ارشاد ہوگا:“
ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر اس شخص کے لیے جو بہت رجوع کرنے
والا اور بڑی گہمداشت کرتے والا تھا۔ جو بے دیکھے رُحْن سے ڈرتا تھا اور جو قلب منیب
(دل کرویدہ) لیے ہوئے آیا ہے۔ راسل ہو جا جنت میں سلاحتی کے ساتھ، وہ دن
حیات ابدی کا دن ہوگا۔“

غرض اس رزم گاہ حیات میں، نفس امارہ اور نفس لامر کی کش مکش کے بیچ نفس کو نفس مطمئن،
قلب سلیم اور قلب منیب بنانے کے لیے آدنی کو چاہیے کہ وہ مرضیات الہی کا پابند ہو، ہر اس کام کا
کرنا جو قرآن و سنت سے مطلوب ہے، نفس کو اطمینان عطا کرے گا اور ہر وہ کام جو احکام الہی کی
خلاف ورزی میں ہوگا نفس کے خلش کو بڑھاوا دے گا۔

سنائی دیتی ہے، ناگ چھٹکارتے ہیں، الووں کی مہیب آوازیں گونجتی ہیں،
طرح طرح کے بت جبکہ نصب ہیں، دیواروں پر مخوں پر عیاں تصویریں
نقش ہیں۔ اپنے باطن کی اس ناپاک دنیا کو ہم دل فریب گھنگوڑوں اور لچکے
دار تقریروں سے چھپاتے ہیں، ان کو لطیفوں اور تہمتوں سے ڈھانپتے ہیں،
ان کو مصوعی تنجیرگی و وقار کے پردوں سے بھاتے ہیں، دولت کے اعتباروں،
عیش کے سامانوں، خوب صورت جگلوں، لطیف فنی شاہ پاروں، پر بہار ساجی
اور شاعری تفریحوں میں نگاہوں کو الجھا کر آگے بڑھنے سے روک دیتے
ہیں، دوسروں کی نگاہوں سے چھپنا چھپانا تو الگ رہا، ہم اپنی ہی نگاہوں کو
اپنے دلوں تک پہنچنے سے روکتے ہیں، اپنے باطن پر نگاہ ڈالنے کے لیے
ہمارے پاس فرصت نہیں، ہماری مصروفیات بے پناہ اور ہمارے عہدے
(تحریکی شعور، ضمیر صدیقی، ص: ۸۳، ۸۴)

بڑے اونچے ہیں۔“

نفس مطمئنہ کے مترادفات

اس سے پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ چون کہ عربی میں نفس مونث ہے، اسی لیے تضاد اور
بے قراری سے پاک نفس کو ”نفس مطمئنہ“ کہا جاتا ہے۔ اردو میں ہم اسے ”نفس مطمئن“ کہتے
ہیں۔ اس کیفیت کے اظہار کے لیے قرآن نے کچھ اور الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ مثلاً— قلب

سلیم اور قلب منیب۔

قلب سلیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام مختلف آزمائشوں سے گزرے، مال و دولت، گھر، وطن،
بیوی، بچے، آرام و آسائش غرض ہر قسم کی عزیز شے کی قربانی کی ضرورت پیش آئی۔ ان سب
مرطلوں میں ایک لمحہ کے لیے نہ انہوں نے تردد کیا نہ توقف، نہ گھبرائے نہ بے قرار ہوئے، بلکہ
اپنے دل کو ہر دو وفا داریوں میں بٹنے سے بچایا، قلب کی سلامت رومی کو باقی رکھا تو اللہ تعالیٰ نے

ہے، مگر Spiritual nearness (روحانی قربت) ممکن ہے اور اس کا ذریعہ نماز ہے۔ نماز کے سلسلے میں ان امور کی طرف توجہ دلانی ہے جہاں عموماً تسامل ہوتا ہے۔

جماعت

اردو میں ہم نماز پڑھنا جسے کہتے ہیں وہ انفرادی طور پر بھی ممکن ہے مگر شریعت نے نماز پڑھنے کا نہیں ”نماز قائم“ کرنے کا حکم دیا ہے۔ نماز قائم کرنا گویا دین کو قائم کرنے کی پہلی کوشش ہے۔ لہذا جو دین کو غالب کرنے کی بات کرتے ہیں وہ ماضی نہیں پڑھیں گے بلکہ نماز قائم کریں گے۔ نماز کے قیام کے شرائط میں جماعت ایک اہم شرط ہے، وحیہ للمصلین نے نماز جماعت نہ ادا کرنے والوں کے سلسلے میں کہا تھا کہ جی چاہتا ہے کہ امامت کوئی کرے اور میں ان گھروں کو آگ لگا دوں، جس کے لوگ جماعت میں شامل نہ ہوں۔ کسماتے ہوئے نماز کی خاطر اٹھنے والوں کے بارے میں کہا گیا کہ وہ منافق ہیں:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۖ وَإِذَا قَامُوا إِلَى

الصَّلَاةِ قَامُوا كُتَّالًا ۖ (النساء: ۱۴۲)

”یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، حالانکہ درحقیقت اللہ ہی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں کسماتے ہوئے اٹھتے ہیں۔“

محض تسامل سے گھریں، دفتر وغیرہ میں انفرادی طور پر نماز ادا کرنے کی عادت ڈالنا، اسلامی اسپرٹ سے میل نہیں کھاتا اور نہ ہی نماز دلوں کو مطمئنانہ عطا کر پاتی ہے۔

وقت

نماز جب باجماعت ادا کی جانے لگے اور محکمے کی مسجد میں ادا کی جائے تو پھر خود بہ خود وقت پر نماز ادا ہوا جائے گی۔ قرآن کہتا ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْثُوتًا (النساء: ۱۰۳)

”بلکہ نماز مومنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔“

دعوت، تربیت اور خدمت تین ایسے بڑے امور ہیں، جو انجام کی دعوت کے اجزاء رہے ہیں اور نفس کیطماعت کے حصول کے یہ سب ذرائع ہیں۔ مگر بعض اوقات آدمی ان کاموں کو انجام دے کر بھی روحانی طور پر خالی خالی اور کھو یا کھوس کر رہتا ہے۔ قوت تو مختلف ذرائع سے بھی ملتی ہے مگر مخزن و معدن سے وابستگی غیر منقطع حصول قوت کا یقینی ذریعہ ہوتا ہے۔ لپٹاپ (Laptop) بیٹری سے بھی کام کرتا ہے مگر برقی توانائی کے تار سے جڑنے کے بعد اس کی کیفیت گھٹ جاتی ہے۔ بھوک کے وقت پانی، کھجور اور کیلے سے بھی کام چلایا جاسکتا ہے مگر روٹی، گھی اور گوشت کا کیا کہنا۔ غرض اس طرح تربیت، دعوت اور خدمت کے کام کی انجام دہی سے بھی دل کا مطمئن ہوتا ہے مگر درج ذیل اعمال و اشغال ایسے ہیں، جن کی شعوری انجام دہی سے روح کی سکینٹ اور قلب کی طمانیت ایک یقینی امر ہے۔ نفس مطمئنہ کی طرف لے جانے والے یہ چار اہم ترین اعمال ہیں: (۱) نماز (۲) قرآن (۳) دعا (۴) ذکر

۱۔ نماز

نماز قرب الہی کا اہم اور بنیادی ذریعہ ہے۔ نماز اللہ سے قرب و ہم کلامی کا قائم مقام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی طوی میں اللہ تعالیٰ نے بلا کر نبوت عطا فرمائی۔ آپ سے ہم کلام ہوا پھر وادی سے لوٹنے کے بعد بھی خدا سے ہم کلامی کا ایک ذریعہ بتایا وہ ہے نماز۔

إِنِّىۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَخُذْنِیْۤ ۙ وَ اَقِمْ الصَّلٰوةَ لِیَذْكُرَنِیْہٗ (طہ: ۱۱۴)

”میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔“

اس طرح نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے معراج پر بلایا، ذات باری تعالیٰ کی قربت اور اس کی سلطنت کی عظیم الشان نشانیوں کے مشاہدے کے بعد، اس سے ایک مشاہدہ جبر نماز کا تحفہ عام مسلمانوں کے لیے عطا کیا گیا۔ خدا سے Physical nearness (طبیعی قربت) تو امر محال

خشوع و خضوع

نماز میں خشوع خضوع کا مہم ترین پہلو ہے:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝
(المؤمنون: ۲۰)

”یقیناً قافلہ پائی ہے ایمان لانے والوں نے، جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔“

خشوع دراصل مجال ربانی کے آگے ہلکا مہمان کی تلاوت سے قلب کا نرم ہو کر جھک جانا ہے۔ دل کی یہ کیفیت نماز کی اصل روح ہے۔ ذہن کہیں مصروف ہو، الفاظ زبان سے ادا ہو رہے ہیں مگر علم نہیں کیا پڑھ رہے ہیں، اس طرح کبھی اس کا بھی احساس نہیں تشہید میں بیٹھا کہ نہیں، ایک مجدد وہاں کہہ دے ہوئے؟

ایسا تو دراصل نشہ کی حالت میں ہوتا ہے اس لیے قرآن نے کہا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَ أَنْتُمْ سُكَرَىٰ خَشًى
تَعْلَمُونَ مَا تَقُولُونَ (النساء: ۴۳)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ،
نماز اس وقت پر بھی چاہیے جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔“ (النساء: ۴۳)

ذیالات کی گم گشتہ وادیوں میں کھو کر کبھی نشہ آور سے مشابہت ہو جاتی ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ ”بے حضور قی قلب کی نماز اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہے۔“

قلب کو قلب منیب بنانے کے لیے کچھ مشورے درج ذیل ہیں:

- عموماً پڑھنے والی سورتیں نہ دہرائی جائیں، بلکہ کچھ نئی سورتیں یاد کریں۔ کچھ مشکل مقامات کی تلاوت ذہن کو مختصر کرے گی۔
- رکوع دو تہود و مدد جلسہ کی تسبیحات بدل کر پڑھیں جیسا کہ احادیث میں آئی ہیں۔
- قرآن کا فہم خشوع و خضوع پیدا کرے گا۔

یہی قرآن کا اصول ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ وقفہ وقفہ کے ساتھ دربار الہی میں حاضری، روح کی پاکیزگی اور بالیدگی کا عمل حصول قوت کا فطری طریق کار ہے۔ رفعت کی راہیں بہت ہیں مگر ایک دائمی راہ اس کا عادی نہیں ہوتا۔ کچھ دنوں سے یہ دیکھتے ہیں آ رہا ہے کہ دینی اجتماعات میں قرب الہی کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت فارغ کرنے کی بجائے ”صحیحین اصول تین“ کے بہانے رب کائنات کی بارگاہ میں حاضری کم سے کم کر لی جاتی ہے۔ فقہی اعتبار سے ”جائز، صحیح، ثابت شدہ مسئلہ“ کی بحث میں پڑنا اس وقت ہمارے دائرے سے باہر ہے۔ میں صرف دوران اجتماع کی بات کر رہا ہوں، جہاں قیام ہوتا ہے، جماعت قائم ہوتی ہے بلکہ مسجد میں اجتماع ہوتا ہے۔ اس وقت ہمارے کچھ نئے دین دار مسجد سے باہر لالان میں جا کر گفتگو کے لیے بیٹھ جاتے ہیں، جب کہ اندر عصر یا عشاء کی جماعت کمزوری ہوتی ہے۔ پوچھتے پر کہا جاتا ہے ہم نے جمع کر لیا۔ جب کہ کھانا جمع نہیں کرتے، ناشتہ اپنے وقت پر کرتے ہیں، دوپہر کے کھانے میں ذرا تاخیر نہیں ہوتی، رات کا کھانا پروگرام کے مطابق ہوتا ہے۔ ایسا ہی لیے تو کیا جاتا ہے کہ وقفہ وقفہ سے کھانے سے زبردستی حاصل ہوتی رہے، سرور و تازگی باقی رہے۔ دوامی بھی تین اوقات میں مطلوب مقدار کو رشتہ جھوٹ میں تقسیم کر کے دی جاتی ہیں۔ مثلاً جسم کے وزن کے تناسب سے ڈاکٹر نسخہ لکھتا ہے۔ یہ اسی لیے کہ پہلے 15mg کا کم کرے، جب اس کے اثرات جسم کے اندر کم زور پڑنے لگے تو پھر 15mg کی خوراک سے کم زوری کو تو اتار دے۔ بدلا جائے۔ پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد تیسری مرتبہ 15mg کی کوئی کھانی پڑتی ہے۔ حالاں کہ ضرورت کے وقت بھول جانے پر یا سفر میں ایک ساتھ 45mg کھالینا بھی صحیح ہے مگر یہ معمول نہ ہے تو پھر درود فانی تازگی، سکون و طمانیت کے حصول کے لیے قسم سے کیوں کام لیا جائے جب کہ انہی جوانی کا دم ہاتی ہے۔ یہ بات صرف رجوع الی اللہ کی کیفیت اور مقدار کو بڑھانے کے لیے زیر بحث لائی گئی۔ ورنہ شریعت میں اس کی انجائش سے بحث نہیں۔

تہجد مومن کے لیے فرض تو نہیں ہے، البتہ داعی کے لیے لازم کے درجے میں ہے، جو لوگ بندوں کو راہ خدا میں رب کی چوکھٹ پر سر رکھنے کے لیے بلا تے ہوں، تو در عمل میں سر اور اکڑنے لگتے ہیں۔ داعی کی بات بات رد دھونے یا ستانگ جلد برآمد نہ ہونے پر دل بوجھل ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات گئی اور اسباب ہوتے ہیں جب دل اندر سے ایسا روتا ہے کہ حالت زار کسی کو بتایا نہ جاسکے۔ دل کا غم پاک ہو جائے تو ایسا سکون قلب اور نفس کو اطمینان ملتا ہے کہ اسے اس لحاظ پر نہیں لانا مشکل ہے۔ یہ راحت ہاں کا سامان تہجد کی نماز کرتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے مزار پر وقت تہجد کے ہمد ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دل غم سے چور چور تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کی بازیافت کی خوشخبری جب ملی تو بچوں نے اپنی غلطی پر بخشش کی دعا کی درخواست کی تب حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ سَنُوفِ اسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ عَالَمٌ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِیْمُ (یوسف: ۹۸)
”اس نے کہا غفر رب میں اپنے رب سے تمہارے لیے معافی کی درخواست کروں گا۔“

امام خرمائی نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف کا یہ کہنا تھا کہ وقت تہجد میں تمہارے لیے دعا کروں گا۔ غرض تہجد کا وقت اٹھنا اور نماز قرآن ذکر، دعا کا اہتمام کرنا، روحانی بلندی کے لیے ضروری ہے۔ سورہ مزمل سے تہجد کے جو فوائد سامنے آتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

- غم کو پاک کرنا ہے۔
- رب کے حضور آواز داری سے قلب کی ادائیت بڑھتی ہے۔
- قرآن پر غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔
- غرض مضمی کا بوجھ پاک ہوتا ہے، دعوت کی راہ آسان ہوتی ہے۔

- نفس مارا کوہ پر کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔
- زبان میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔
- خدا کی حمد و تسبیح کرنے کے لیے کیسوی میسر آتی ہے۔
- سب سے کثرت کر صرف اللہ کے ہو جانے کا زریں موقع ہوتا ہے۔
- لہذا نفس مطمئنہ کی طرف سفر میں نماز ایک اہم ذریعہ ہے۔ نماز کا جتنا حق ادا کریں گے اتنا نفس کا اطمینان بڑھے گا۔

۲۔ قرآن

روحانی سکون و تسکین جان کا دوسرا ذریعہ قرآن مجید ہے۔ مولانا مودودیؒ نے تقسیم القرآن لکھ کر یہ احسان کیا کہ انھوں نے لاکھوں نوجوانوں کو قرآن سے وابستہ کر دیا۔ ورنہ اس سے پہلے وہ صرف علماء کے سمجھے سمجھا نے کی کتاب تھی۔ رفتہ رفتہ لوگ تقسیم قرآن کی طرف متوجہ ہوئے۔ مطالعہ قرآن کے سلسلے میں چند باتیں عرض کرنا چاہوں۔

خوش الحالی

قرآن کو خوش الحالی سے پڑھنے سے روح پر وجد طاری ہوتا ہے۔ دل کے تاروں کو وہ چھیڑتا ہے، قلب رقت و موز سے بھر جاتا ہے۔ قرآن کا کہنا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمُ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۲﴾ (الأنفال: ۲)
”ایمان والے وہی ہیں جب نام آئے اللہ کا تو ڈر جائیں ان کے دل اور جب پڑھا جائے ان پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے ان کا ایمان اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔“

اسی طرح سورہ زمر آیت ۲۳ میں ہے:

اللَّهُ تَوَكَّلْ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مّتَانِي تَقْشَعِرُّ مِنْهُ

جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَ قُلُوبُهُمْ
إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ (النور: ۳۳)

”اللہ نے بہترین کام اتارا ہے۔ ایک ایسی کتاب جس کے اجزاء ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں۔ اسے کن کن لوگوں کے روکنے کوڑے ہو جاتے ہیں، جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔“

خوش الحالان تلاوت اور وقت آمیز قرأت قلب کو متاثر کرتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

يَتَّبِعُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِهِمْ

”اپنی آوازوں سے قرآن کو زینت بخشو۔“

نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ قرآن پڑھنے میں کون سا شخص زیادہ خوش آواز ہے؟

آپ نے فرمایا: ”وہ شخص جب تواسے پڑھتا ہواسے تو تجھے محسوس ہو کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے۔“ اس کیفیت تک پہنچنے کے لیے خوش الحان امام کی اقتدا میں غماز و زور کا اہتمام کریں، عالمی شہرت یافتہ قرآنی قرائتیں نہیں، پھر بہت ممکن ہے کہ تجدید کے وقت کی تلاوت وہ کیفیت پیدا کر سکے۔

رحمت

جب ہم قرآن کی تلاوت کریں تو صرف ”کھتوں“ کی تلاش نہ ہو بلکہ خدا کی رحمت نزول ہوتے ہوئے محسوس کریں۔ یہ ایک ایسی قلبی کیفیت ہے، جس سے آدمی روحانی مختصر مکمل محسوس کرے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

”جب بھی لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور اسے باہم پڑھتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے۔ خدا کی رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں۔“

صحابی رسول حضرت اسید بن جعفر کی عادت تھی کہ وہ پیچہ کے وقت خوش الحانی کے ساتھ

قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔ ایک رات وہ تلاوت فرما رہے تھے، ان کی کنیا میں ان کا گھوڑا بندھا ہوا تھا، وہ تنہا رہا تھا۔ پاس میں ان کا چھوٹا بیٹا عبد اللہ سویا ہوا تھا۔ اس ڈر سے کہ کہیں گھوڑا بچے کو روند نہ دے، آپ نے تلاوت بند کر دی۔ پھر کچھ دیر بعد پڑھنا شروع کیا تو پھر گھوڑا بدکنے لگا۔ دو تین مرتبہ جب ایسا ہوا تو آپ نے تلاوت روک دی۔ باہر تعریف لائے۔ آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ سفید پھتری نما کوئی چیز ہے، جس میں چراغ روشن ہیں اور وہ بدلی اوپر کی طرف جا رہی ہے۔ یہ سارا ماجرا صبح حضرت اسیدؓ نے نبی ﷺ کو سنایا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”اسید کا شتم صبح تک تلاوت جاری رکھتے تو مدینہ کے لوگ دیکھ لیتے کہ رحمت کے فرشتے کیسے ہوتے ہیں۔“

اس تصور وادراک کے ساتھ ہماری تلاوت ہونی چاہیے۔

جلالہ قلب

جیسا کہ آغاز میں مولانا نعیم صدیقی کا حوالہ دیا گیا کہ ہمارے قلوب کی کیا کیفیت ہے۔ اس صورت حال پر قرآن نے کہیں ”کَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ“ کے الفاظ سے تعبیر کیا، کہیں قلوب قاسیہ کہا ہے۔ حدیث میں اس کیفیت کو ایک دوسرے انداز میں یوں کہا گیا ہے:

”ان دلوں کو بھی رنگ لگ جاتا ہے، جیسے لوہے کو رنگ لگ جاتا ہے۔ جب کہ اس پر پانی پہنچ جائے۔ عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! ان دلوں کو جانچنے والی چیز کیا ہے؟ فرمایا: موت کو! کھر یا ذکرنا اور قرآن کی تلاوت۔“

لہذا طمانیت قلب اور دل کے نور کے حصول کے لیے صرف ترجمہ و تفسیر کا مطالعہ ہی کافی نہیں، بلکہ خوش الحان قرأت کی وجدانی کیفیت بھی ضروری ہے۔

فہم و مدبر

فہم و مدبر پر ہم بہت کچھ اپنی محفلوں میں عرض کرتے رہتے ہیں۔ لیکن خود قرآن کے

کتابیں

دعاؤں کا شوق و ولولہ اگر دل میں موجزن ہو تو پہلی چیز جو کرنے کی ہے وہ دعا پراگھی
اچھی کتابوں کو جمع کریں۔ مثلاً

- ☆ کلام نبوت۔ حصہ اول صفحات: ۱۲۹-۵۴۶ از محمد فاروق خاں
- ☆ آں حضور ﷺ کی دعائیں از محمد فاروق خاں ☆ زبور ال محمد
- ☆ دعائے خیر البشر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ☆ دعائے کمیل
- ☆ مسئلہ کی دعائیں ام حبیب
- ☆ مقبول دعا علی قحطانی
- ☆ اسلامی وظائف مولانا عبد السلام ہتوتی

یاد کریں

دعائیں یاد کرنا آسان ہے۔ اس کی ایک آسان ترکیب ہے۔ وہ ہے موضوعات کے تحت اپنی نوٹ بک یا ڈائری میں چار چار دعائیں لکھ لیں اور دوران سفر وغیرہ یاد کریں۔ مثلاً ربنا، انبیاء کی دعائیں، خیر کی دعائیں، پناہ مانگنے کی دعائیں، رزق میں فراخی کی دعائیں، استغفار وغیرہ وغیرہ۔ دعائیں اپنی زبان میں بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے، مگر مسنون دعاؤں کی بات اور ہے۔ مسنون دعائیں جامع ترین ہوتی ہیں۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ انسانی ضروریات کا احاطہ جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا کسی عام انسان کے ذہن کی رسائی وہاں تک ممکن ہی نہیں۔
دعا کریں

عام دعاؤں سے ہمت کر ہماری کوشش ہو کہ روزانہ کوئی ایک دعا خدا سے ہم ضرور مانگیں۔ چاہے وہ اپنی ہی زبان میں کیوں نہ ہو۔ زندگی کی ضروریات کی ایک فہرست مانگیں، جس میں دین و دنیا، آخرت، تعلیم، تجارت، دولت، جماعت، صلاحت، گھراور خاندان وغیرہ شامل ہوں۔

پہچیدہ مقامات کو سمجھنے یا جدید مسائل کے حل کی دریافت کے لیے قرآن پر غور و فکر ایک نئے انداز سے نہیں کر پاتے۔ اہل علم کی محبت بھی عداوت ہوتی ہے۔ مگر اقبال نے فہم و تدبر کا جو راز بتایا ہے وہ یوں ہے:

ترے ضمیر پہ جیپ تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کھٹا ہے نہ رازی نہ صاحب کشف
ایک اور گنہ فرماؤ:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

بہت سے نکتے میدان عمل میں کھل جاتے ہیں۔ صرف زبانی دہائی بننے سے یہ نعمت عظمیٰ ہاتھ نہیں آتی۔

۳- دعا

دعا عبارت کا مفہوم ہے، دعا بندگی کا اظہار ہے، دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے اور محتاجی کو دور کرتی ہے۔ دعا اپنے آپ کو خدا کی چوکھٹ میں ڈال دیتا ہے۔ دعا سے سکون و طمانیت ملتی ہے۔ دعا ہی سے مشکل کام آسان ہوتے ہیں۔ دعا انہونی کو ہونی کر دیتی ہے۔ دعا دلوں کو جوڑ دیتی ہے۔ دعا خدا کو خوش کر دیتی ہے۔ دعا سے رقت قلبی پیدا ہوتی ہے۔ آہ بحر گاہی کی لذت و کیفیت اور شخص تک پر گندہ ذہن کو تکرر کر دیتی ہے اور دعا انبیاء کی سنت ہے۔ دعا خدا کی تعلیم ہے۔ خدا ہی سے کائنات کی ہر شے دعا لگتی ہے۔ دعا سے انسان پوری کائنات سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ دعا سے بندہ اپنے تمام معاملات خدا کے سپرد کر دیتا ہے پھر ہر کام بن جاتا ہے۔ دعا سے اندوہی طاقت ملتی ہے۔ غم دل جو کسی کو ستا رہے سکین دعا ہی سے وہ ہلکا ہوتا ہے۔ الغرض دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ مگر انہوں کہ ہم عربی کے چند بول زبان سے ادا کر لینے سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔ دعا کے ضمن میں چار باتیں عرض کرنی ہیں:

”یہ وہ لوگ ہیں، جو ایمان لائے اور جن کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ سن رکھو اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔“

یہ ہے وہ ذکر جس کا ”ذکر“ ہماری نشستوں میں خال خال ہی ملتا ہے۔ ان لوگوں نے جرم کیا ہوگا جنہوں نے صرف نماز، قرآن و دعا اور ذکر ہی لوگوں دین بھجوا دیا ہو، مگر یہ بھی کم نادانی کی بات نہ ہوگی کہ ان امور کا ہماری عملی زندگی میں اختلاف ہو۔ ذکر کے سلسلے میں چار باتوں کی طرف توجہ مبذول کرانی ہے۔

کلمات ذکر کا تعین

احادیث کی کتابوں میں ذکر کے بعض مخصوص کلمات آئے ہیں۔ وہ لوگ غلطی کرتے ہوں گے جنہیں کلمات ذکر کے مفہوم کا شعور و ادراک نہ ہو۔ مگر یہ تعویذ کی حیثیت سے نہیں بلکہ یاد کرنے اور توجہ دلانے کی غرض سے ہو۔

روزمرہ استعمال

صحیح لکھنے سے لے کر شام ہستہ پر جانے تک ایسے بے شمار مواقع آتے ہیں جہاں نبی ﷺ نے ہمیں اذکار سکھائے ہیں۔ ان اذکار کا اہتمام تقیاً نہ زندگی کی پہچان ہے۔ بیت الحرام میں، آئینہ دیکھتے وقت، گھر سے باہر نکلتے وقت، سواری پر چڑھتے ہوئے، وقت و رفتہ غرض زندگی کے ہر شمار مرحلوں میں ذکر کے کلمات کا ورد شعوری طور پر ہو تو قلب کی اتنا بہت بڑھ جاتی ہے۔

مخصوص ذکر

ہمارے بزرگوں کا طریقہ تھا کہ دن میں کچھ وقت وہ فارغ کرتے اور کلمات ذکر کا اختصار قلب کے ساتھ ورد کرتے۔ علامہ ابن تیمیہؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نماز فجر کے بعد سے سورج ٹوب گرم ہوئے تک ایک ہی جگہ بیٹھ کر ذکر کیا کرتے تھے۔ کسی دن کی وجہ سے اس معمول میں خلل پڑتا تو وہ فرماتے تھے کہ ”آج میرا نشہ نہیں ہوا میں بھوکا ہوں۔“ یہ جیڑی میں کرنے والا عمل نہیں بلکہ جوئی سے جس چیز کی عادت ہوگی وہی آخری سانس تک چلے گی۔

دعا پڑھیں

دعا پڑھنے سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہ وقت ضرورت گھر والوں پر یا دیگر لوگوں پر دعا پڑھ کر دم کریں۔ نبی ﷺ نے ہر مصیبت اور ہر مسئلے پر دعائیں سکھائی ہیں۔ گھر میں بچہ، جب بیمار ہوتا ہے تو فوراً آواز کرا دیتا ہے، کوئی چیز کم ہو جائے تو پولیس میں کہیں درج کروا دینے کی سوچتے ہیں، کوئی پریشانی آجائے تو صاحب روح کو فون کر لیتے ہیں۔ مگر مسبب الاسباب کی طرف فوراً دھیان نہیں جاتا۔ رات میں سوتے وقت دعائیں پڑھ کر سب پر دم کریں۔ یہ تمام امور ہمیں اندر سے مضبوط انسان بنائیں گے۔

۴۔ ذکر

ذکر اللہ تعالیٰ باللہ کا جزو لا ینفک ہے۔ ایک مومن تعلق باللہ اور ذکر اللہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ اس کے بغیر اس کا شمار مردوں میں ہونا چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو یا نہیں کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی ہی ہے۔“

ذکر اللہ زندگی بھی ہے ذکر اللہ بندگی بھی۔ ذکر شہ کا خدا نے حکم فرمایا ہے۔ ذکر کا ہم اپنی کی ضمانت ہے، ذکر سے روگردانی کرنے سے معیشت تنگ ہو جاتی ہے۔ ذکر سے فطرت شیطان کے تسلط کے سبب ہوتا ہے۔ غافلین ذکر نہیں کیا کرتے جب کہ عارفین ذکر کے پابند ہوتے ہیں۔ ذکر اللہ سے دل خالی ہوتا مال و اولاد کی محبت کی پلاکت آگیزی جگہ ملتی ہے۔ ذکر مومن مردوں اور مومن عورتوں کی صفات میں بتائی گئی ہیں۔ ذکر عبادت کی بڑ ہے۔ ذکر صاحب بصیرت لوگوں کی پہچان ہے۔ ذکر زندگی کے مرحلے میں ہوا اور ہر چیز سے بڑھ کر خدا کا ذکر بندہ مومن کا شیعہ ہے۔ جب اس طرح ذکر اس کی زندگی کا جز بن جاتا ہے تب وہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ اس کا دل سکون آفا ہوتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ٥
(المعد: ۲۸)

عبادت میں ذکر

عبادت اسی وقت عبادت ہوتی ہے، جب شعوری طور پر اس میں ذکر شامل ہو ورنہ وہ عبادت نہیں عبادت بن جاتی ہے۔ جماعت کی نماز میں جتنے لوگ شامل ہوتے ہیں، ان سب کی نماز اپنی والائی کے اعتبار ایک درجے کی نہیں ہوتی، بلکہ جس کی نماز ذکر سے بھرپور ہو وہ اعلیٰ ترین نماز ہے۔ اس طرح ایک طویل حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جہاں ذکر نے والوں میں سے افضل جہاد اس کا ہے، جس نے ذکر بغیر کیا ہو۔ تمام جہان میں اس کا جگہ اکمل ہے، جس نے ذکر بغیر کیا ہو۔ لہذا ہر عبادت اذکار سے پر مغز ہو تو دل مطمئن ہوتا ہے۔

غرض نفس مطمئینہ کی طرف ہمیشہ گامزن رہنے کے لیے یہ چار نسخے تجویز کیے گئے ہیں۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ نفس مطمئینہ کے لیے بس یہ چار کام کر لینا کافی ہوگا۔ تعلیم، خدمت، دین، قتال، شہادت، فتح وغیرہ کے تمام اعمال سے ایک مومن خوش ہوتا ہے اور اس کا نفس مطمئن ہوتا ہے۔ مذکور بالا چار امور اہم اور بنیادی ہونے کے ساتھ ان سے غفلت محسوس کرنے ہوئے ان کی جانب توجہ مبذول کرنا وقت کا تقاضا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اطمینان قلب کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔